عائشہ فاحشہ

پر

نو مقدمے

مؤلف

شیخ یاسر الحبیب

مترجم

ابن حق ہندی

مشخصات کتاب

کتاب:------------------ عائشہ فاحشہ پر نو مقدمے

مؤلف:------------------ علامہ شیخ یاسر الحبیب لندن

مترجم:------------------ ابن حق ہندی

مصحح: ------------------ ثالثی

سال طباعت: ------------- ماہ شعبان 2021ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (١٢) فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (١٣) وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (1)

"اور اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالو تو دیکھو گے کہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمکدار نکلتا ہے یہ ان نو معجزات میں سے ایک ہے جنھیں فرعون اور اس کی قوم کے لئے دیا گیا ہے کہ یہ بڑی بدکار قوم ہے، مگر جب بھی ان کے پاس واضح نشانیاں آئیں تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ ان لوگوں نے ظلم اور غرور کے جذبہ کی بناء پر انکار کر دیا تھا ورنہ ان کے دل کو بالکل یقین تھا پھر دیکھو کہ ایسے مفسدین کا انجام کیا ہوتا ہے" ؟

الحمد للہ کما ھو اھلہ وافضل الصلوٰۃ و ازکیٰ السلام علیٰ خیر بریتہ سیدنا محمد و آلہ الطیبین الطاھرین و اللعنۃ و العذاب علیٰ اعدائھم من الاولین و الآخرین۔

"ساری حمد وثناء اللہ کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ وہی اس کا اہل و مستحق ہے اور برترین درود و پاکیزہ ترین سلام ہو اس کی بہترین مخلوق ہمارے مولیٰ و آقا حضرت محمد مصطفیؐ اور ان کی طیب وطاہر آل پر اور لعنت وعذاب ہو ان کے تمام دشمنوں پر چاہے وہ اولین سے ہوں یا آخرین سے"۔

(1) سورہ نمل آیات ۱۲ تا ۱۵۔

انتساب

مظلومۂ عالم، مدافع حریم ولایت، صدیقۂ شہیدہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے نام اور ان کے ان تمام محبوں کے نام کہ جنھوں نے احکام تقیہ و تبراء کو اچھی طرح درک کرتے ہوئے دشمنان جناب سیدہؑ کے کریہ چہروں پر پڑی اسلام کی نقاب کو نوچ لی، ان پر کھل کر تبراء کیا اور اس راہ میں اپنی قیمتی جانیں قربان کر دیں بالخصوص:

۱۔ جناب ابوذر غفاریؓ

۲۔ جناب حجر بن عدیؓ

۳۔ جناب رشید ہجریؓ

۴۔ جناب میثم تمارؓ

۵۔ جناب محمد بن ابی بکرؓ

اور دور حاضر کے راہ تبراء کے تمام شہداء کے نام بالخصوص:

۱۔ جناب علامہ شہید حسن شحاتہؒ

۲۔ جناب آیت اللہ شہید باقر النمرؒ

دیباچہ

مجھے بعض اہل علم ودانش اور طالبین علم نے تشویق وترغیب دلائی کہ میں ان مقدمات کو ایک مستقل کتاب کی شکل دے دوں جنھیں میں نے کتاب" الفاحشة الوجه الآخر لعائشة" کے مقدمہ کے طور پر تحریر کیا ہے کیونکہ ان کی رائے کے حساب سے کیفیت کے مطابق وہ اسی کے لائق ہے اس لئے کہ وہ مقدمات علمی مطالب اور دقیق روش پر مشتمل ہیں اور ان لوگوں کی تشخیص کے حساب سے ان مقدمات کی کمیت اس لائق ہے کہ بآسانی انھیں دست بدست کیا جاسکے۔ کیونکہ کتاب (الفاحشة) ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے۔

البتہ میں اس کام کے لئے آمادہ نہیں تھا کیونکہ میں ان مقدمات کو جداگانہ اور مستقل کتابی شکل دینے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا تھا لیکن میں نے ان کے اصرار کے بعد دیکھا کہ ہاں اس میں مزید فوائد ہیں اور اس لائق ہے کہ جدا طبع ہو تو میں نے سابقہ مقدمات میں سے ایک کو حذف کر دیا کیونکہ وہ مقدمہ خالص اس بات سے متعلق تھا کہ کتاب (الفاحشة) کو اس نام سے موسوم کرنے کی علت کیا ہے؟ اس کے علاوہ بعض مقدمات کو مزید منقح کیا ان میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا نیز ان مقدمات میں دو اہم اور جدید مقدمے کا اضافہ کیا تو سب ملکر ایک مستقل کتاب مزید فوائد پر مشتمل تیار ہوگئی کہ جس میں انشاء اللہ قارئین محترم کو فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ میں نے اس میں پہلے زمانے کے لوگوں کی روش بیان کی ہے اور ان کی بعض باتوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔

اور میں نے اس کتاب کا نام" **عائشہ فاحشہ پر نو مقدمے** "رکھا ہے ان نو معجزات سے برکت حاصل کرنے کے لئے جسے اللہ عز وجل نے اپنے کلیم حضرت موسیٰؑ کو عطا فرمایا تھا اور خداوند متعال اسے قبول کرے اور اس کتاب کو مبارک قرار دے تاکہ یہ کتاب بہت سے اوہام وخیالات کو زائل کرنے میں اور نئ وعام فکر کو از سر نو بنانے میں مدد گار ثابت ہو اور امت اسلامی اپنی شان کے لحاظ سے صحیح تبلیغی ودعوت کی راہ پر گامزن ہو جائے کہ جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی پاک حجتیں یعنی ائمہ طاہرینؑ راضی وخوشنود ہوتے ہیں۔

پہلا مقدمہ

ماضی سے وابستگی کیوں؟

اللہ عزوجل نے ہمیں سابقہ امتوں کے کرتوت میں کیوں مشغول کر دیا ہے ؟کیا ہم آجکل کے لوگ نہیں ہیں؟ ہمارا کل کے لوگوں سے کیا واسطہ ہے ؟!اور کیا ضروری ہے کہ ہم بجائے اس کے کہ اپنے زمانہ کے حالات پر غور کریں اور اپنے مستقبل کے مطالبات میں مصروف ہوں اس کے بجائے انھیں یاد کریں اور ان کے کرتوت کا آپس میں تذکرہ کریں؟

اور اپنی آسمانی کتاب قرآن میں کہ جس کی تلاوت اس نے ہر زمانے اور ہر شہر و دیار میں تمام بشر پر واجب کر دی ہے آخر کیوں خداوند متعال ہمیں مجبور کر رہاہے کہ انھیں پڑھیں اور ان شخصیات کے فضائح ''کرتوتوں''کا بار بار تذکرہ کریں جو کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال پہلے مر چکی ہیں اور قبروں میں دفن کی جاچکی ہیں ؟

کیا ضرورت تھی کہ اللہ عزوجل ہمارے سامنے قابیل ،نمرود ،فرعون، ہامان، قارون ،ناقہ صالح کو پے کرنے والے ،نوحؑ کے فاسد بیٹے اور ان جیسوں کو ننگا کر رہاہے اور ہمارے لئے دسیوں آیتوں میں بار بار ان کی نافرمانی و سرکشی کی داستان بیان کر رہاہے جبکہ وہ سب کے سب موت کی نیند سو چکے ہیں،ان کا دور گذر چکاہے اور وہ اب پلٹ کر نہیں آنے والے ہیں ؟!

آخر وہ کونسی اس قدر شدید ضرورت تھی کہ خداوند متعال اپنی نازل کردہ کتب میں سب سے عظیم کتاب کے اندر قوم ثمود، قوم عاد، بنی اسرائیل اور اصحاب ایکہ وغیرہ جیسی فاسد قوموں کے قصے بیان کر رہا ہے جبکہ وہ سب کے سب ہلاک اور کب کے نابود ہو چکے ہیں؟!

کیوں خداوند متعال نے قوم لوطؑ کے جرائم پر پردہ نہیں ڈالا اور ہم سے ان کے گندیدہ افعال اور جنسی انحرافات کو پوشیدہ نہیں رکھا اور کیوں حضرت لوطؑ کی زوجہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو گھر کی چھت پر چڑھ کر تالی اور سیٹی بجا کر حضرت لوطؑ کے مہمانوں کے ساتھ لواط کرنے کی دعوت دیا کرتی تھی؟ کیا یہ بہتر نہیں تھا اللہ عزوجل ہم سے ان گھنونی تصویر کو اپنے ایک نبیؑ کی شان و عزت کی حفاظت کی خاطر پوشیدہ رکھتا تاکہ یہ نہ کہا جاتا کہ حضرت لوطؑ کی بیوی "دلال" تھی؟!

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ سب کے سب فاسق وفاجر اور ظالم تھے اور انھوں نے توبہ نہیں کی تھی اسی لئے اللہ نے انھیں اپنی کتاب میں رسوا کیا ہے تو پھر حضرت زلیخا کی پردہ پوشی کیوں نہیں کی جنھوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف مایل کیا انھیں پھسلا کر زنا کرانا چاہا اور اللہ نے ان برے افعال کی تفاصیل بڑی باریکی سے ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی حالانکہ انھوں نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور اللہ نے انھیں اپنے نبی حضرت یوسفؑ کی زوجیت کا شرف عطا فرمایا؟!

کیا یہ زیادہ بہتر نہیں تھا کہ اللہ عزوجل ہم سے ان پریشان کن تفصیلات کو لا اقل اپنے ایک نبیؑ کے احترام میں مخفی رکھتا اس لئے کہ وہ خاتون یوسفؑ نبی کی زوجہ بن چکی تھیں؟!

آخر کیوں ہم ان مسائل سے در گذر نہیں کرتے جنہیں بیتے ہوئے بڑا عرصہ گذر چکا ہے اور صرف اپنے حالات حاضرہ اور اپنے مستقبل کے سلسلہ میں فکر مند رہیں ؟! کیا ہم مجبور ہیں کہ ماضی اور ماضی کی شخصیات کے اسیر بنے رہیں اور بار بار ان کے واقعات اور حساس افعال کو قرآن مجید میں صبح وشام پڑھتے رہیں ؟! اور آخر کب تک ؟!

جواب :

صبح قیامت ومیدان محشر تک !اس لئے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری موجودہ حالت منور اور تمہارا مستقبل تابناک ہو جائے تو تمہارے لئے لازم ہے کہ اپنے ماضی سے اور زندگانیٔ دنیا میں جو تم سے پہلے گذر چکے ان کے ماضی سے استفادہ کرو اس لئے کہ عبرتیں اور اسباق اسی سے ملیں گے جو تمہارے حاضر وحال کو سنواریں گے اور تمہارا مستقبل صحیح وسالم بنائیں گے۔

اور اگر تم نے ماضی سے چشم پوشی کرلی اور اس میں ہوئے جرائم وکرتوت کو نظر انداز کردیا تو تم بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہو اس لئے کہ تم نے اس سے کچھ نہیں سیکھا اور لامحالہ تم بھی انھیں غلطیوں کے مرتکب ہوگے جن کے تم سے پہلے والے مرتکب ہو چکے ہیں چاہے وہ خطائیں دینی رہی ہوں یا دنیوی۔اس لئے کہ وہ بہر حال تمہیں ہلاکتوں میں ڈالیں گی اس بنیاد پر ہمیشہ ماضی کا دروازہ کھلا رکھنا ضروری ہے اور اس سے کنارہ کشی ہرگز مناسب نہیں ہے۔

حکیم خدا نے ان داستانوں اور قصوں اور واقعات وحادثات کو اپنی کتاب کلام مجید میں اسی لئے جگہ دی ہے کہ انسان ان سے عظیم دروس واسباق حاصل کرے اس لئے کہ انسان پر اپنے

ہم مثل انسان کے اوپر بیتی کہانی اور تجربہ سے زیادہ اور کوئی شئ موثر واقع نہیں ہوتی ہے اسی لئے اللہ نے سابقہ امتوں کے تجربات اور داستانوں پر روشنی ڈالی ہے شاید کہ یہ امت اور دوسری امتیں ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور اپنے خالق سے رابطہ اور اپنی مسیر حیات کو درست کر سکیں۔

کیوں منحرف شخصیات پر توجہ مرکوز رکھی جارہی ہیں اور ان کی دقیق تفصیلات پر فوکس کیا جارہاہے ؟!

قرآن مجید میں منحرف شخصیات پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اوراللہ نے انھیں کے جرائم اور کرتوت کو بڑی تفصیل کے ساتھ آشکار فرمایاہے تاکہ مومن انسان کئی جہتوں سے ان کی بدولت محفوظ ہو جائے ان جہتوں میں اہم یہ ہے کہ وہ ظالموں ،فاسدوں اور گمراہوں سے دھوکہ نہ کھائے ان کا ظاہر چاہے جیسا ہو اور وہ چاہے جس مقام ومنصب پر ہوں اس کی دینداری و پرہیز گاری کا دکھاوا شرعی طور پر کسی شخص کے لئے کسب احترام و تعظیم کے لئے کافی نہیں ہے اور نہ ہی حتیٰ کسی نبیؑ کی مصاحبت اس کے صحابی کی تعظیم و تکریم کے لئے کافی ہے جیسا کہ کسی عورت سے صرف نبیؐ کی شادی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کے اوپر ساری قداست کی چادر چڑھادی جائے اور لوگوں کے اوپر اس کی تعظیم و تکریم کرنا لاد دیا جائے۔

ہمیشہ ضروری ہے کہ انسان اپنی عقل کو بروئے کار لائے بحث و تحقیق کرے اور غور و فکر سے کام لے تاکہ اِن کی اُن کی شخصیت کے سلسلہ میں صحیح موقف اختیار کرنے میں اس کے پاس روشن دلیل ہو نہ یہ کہ اس کے ظاہر پر اکتفا کرے اور اسی پر بنا رکھے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ظاہر

کے باطنی رخ کو بھی دیکھے اور اس کی جانچ پڑ تال کرے پھر اگر اسے اچھائی کے اندر ظاہر و باطن میں مطابقت نظر آئے تو پھر اس کے اوپر اس شخصیت کا احترام واجب ہے اور اگر وہ ایسانہ پائے یا قصہ ہی دوسرا ہو یعنی فساد و برائی پائے تو پھر اس کی ذمہ داری ہے کہ اس شخصیت کے مقابل دشمنی وعداوت پر مبنی موقف اختیار کرے۔

قرآن مجید انسان کی عقل کو اسے جگائے اور بیدار رکھنے کے لئے مخاطب قرار دیتا ہے اسی لئے اللہ عزوجل قرآن کی آیات میں بڑی تفصیلات پر توجہ مرکوز کرتا ہے حتیٰ کہ وہ موقع بڑا پریشان کن اور حساس ہی کیوں نہ ہو اور وہ داستان، انبیاءؑ کے گھروں سے متعلق ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اس کا مقصد ان داستانوں کی پیچھے عقول بشر کو بیدار کرنا اور انھیں یہ سمجھانا ہے کہ کوئی انسان بظاہر دینداری کے کسی بھی مرتبہ پر پہنچ گیا ہو اور وہ کسی نبی یا رسولؐ سے مربوط کیوں نہ ہو گیا ہو پھر بھی وہ پھسل سکتا ہے اور شیطان کے جالوں میں پھنس سکتا ہے لہٰذا تفصیلی واقعات ہی بنی نوع انسان کے اذہان میں یہ اعتقاد راسخ کر سکتے ہیں اجمالی کافی نہیں ہے اس طرح کے مواقع پر صراحت مطلوب ہے اشارہ، کنایہ نہیں، کیونکہ اشارے و کنائے تاویل و توجیہ کا دروازہ کھول دیں گے یہاں تک کہ اصل مطلب کلی طور پر تحریف کر دیا جائے گا۔

اس لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے بندوں کو صراحت و تفصیل سے متنبہ کر دے کہ وہ لغزش کے خطرہ سے آگاہ ہوں، شیطان اور خواہشات کی راہوں میں نہ پھسل جائیں اور نفس امارہ کی اتباع سے بچیں اور اس لغزش کا شکار کبھی کبھی وہ لوگ بھی ہو جاتے ہیں جن کے لئے مثالی

مذہبی ماحول فراہم ہوتا ہے اور ایمان کے بہت سے مراتب طے کر چکے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود آخرکار پھسل کر گر جاتے ہیں!

بلعم باعورا، اپنے ایمان اور اسم اعظم کا علم رکھنے اور ایسی منزل پر پہنچ جانے کے بعد کہ جس کو دیکھ کر اولین وآخرین کو رشک ہو لیکن اس کے باوجود شیطان نے اسے گمراہ کر دیا تو اس نے خواہشات کی پیروی کی اور اس کی مثال کتے کے مانند ہو گئی کہ اگر جھڑ کو تب بھی بھونکتا ہے اور چھوڑ دو تب بھی بھونکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ نے اس کی کہانی ذکر فرمائی ہے۔

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں ایسے شرف ومقام کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں کہ جن مرتبہ ومقام کو کائنات کی ساری عورتیں حاصل کرنے کی تمنا کرتی ہیں دو عظیم نبیوں کی شریک حیات بننا اور مثالی ایمان ویقین کی فضاؤں میں مشترک زندگی بسر کرنا، اس عظیم شرف کے باوجود شیطان نے انھیں خیانت کار بنا دیا اور ان دونوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ خیانت کی، کفر اختیار کیا، نافرمانی کی اور فحشا ومنکرات اور سرکشی کی نشر واشاعت کرنے لگیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔

فرزندان یعقوبؑ صلب انبیاءؑ کی پیداوار تھے ایک عظیم نبی کے گھر میں تھے انھوں نے ان کی تربیت وپرورش کی، بہترین تہذیب وتادیب فرمائی اس کے باوجود شیطان نے انھیں اپنے ہی بھائی حضرت یوسفؑ سے حسد کرنے کی ہلاکت میں ڈال دیا اور ان لوگوں نے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے کی سازش رچی، نتیجہ میں انھیں تاریک کنویں میں پھینک دیا جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ نے اس واقعہ کو ذکر فرمایا ہے۔

آخر کیوں پریشان کن تفصیلات کو انبیاءؑ کے احترام میں پوشیدہ نہیں رکھا جاتا؟!

ان جیسے حقائق کو اور اس کی تفصیلات کو پوشیدہ رکھنا صحیح نہیں ہے اور یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ ان کے کتمان میں انبیاؑ کی کرامت وعزت کا خیال کار فرما ہے! اس لئے کہ ان کے بیان سے اصلاً انبیاءؑ کی کرامت وعزت میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا، یہ عقل کا فریضہ ہے کہ وہ نبیؑ اور اس کی قوم اور اصحاب کے درمیان تفریق وتمیز پیدا کرے۔ عقل یہ نہیں کہہ سکتی کہ ''نبی کی قوم پر طعن وتشنیع کالازمہ نبیؑ پر طعن وتشنیع ہے اس لئے کہ ایسی صورت میں ہم نبیؑ کی طرف رسالت کی ادائیگی اور اصحاب کی تربیت میں ناکامی کی نسبت دینے کے مجرم قرار پائیں گے''!۔

نبی کے اوپر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہ جاتی جبکہ وہ اپنے پروردگار کی رسالت کو پہنچادے اور اپنی قوم کو رشد وہدایت کی طرف رہنمائی کردے اب وہ چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں اور پھر نبی کی رحلت کے بعد کافر ومرتد ہوجائیں خود گمراہ ہوجائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں اور اس کتاب ہی کی تحریف کرڈالیں جسے اللہ نے اپنے نبیؑ کے اوپر نازل کیا تھا؟! اور یہی صورت حال ہر نبیؑ کی رحلت کے بعد پیش آئی ہے۔

اور عقل کے اوپر یہ بھی لازم ہے کہ نبیؑ کے۔ وہ کوئی بھی نبی ہو۔ درمیان اور اس کی اولاد کے درمیان تمیز وتفریق کی قائل ہو۔ لہٰذا عقل یہ نہیں کہہ سکتی کہ '' ہر نبیؑ کے بیٹے کو نیک کردار اور عادل ہونا ضروری ہے اور اس کی سرزنش نہیں کی جاسکتی ورنہ اس کی سرزنش کا لازمہ اس کے باپ یعنی نبی میں عیب لازم آتا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کی تربیت صحیح سے نہیں کی ہے'' اس لئے کہ نبی کے اوپر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہ جاتی جبکہ اس نے اپنے بیٹوں کی اچھی تربیت

میں اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے اس کے باوجود وہ منحرف اور نافرمان ہو جائیں ؟! جیسا کہ فرزند نوحؑ اور فرزندان یعقوب کے ساتھ پیش آیا۔

اسی طرح یہ عقل کی ذمہ داری ہے کہ نبی...وہ کوئی بھی نبیؑ ہو.... اور اس کی زوجات کے سلسلہ میں تفریق کی قائل ہو پس عقل یہ نہیں کہہ سکتی کہ ''نبی کی ہر زوجہ کو چاہیئے کہ وہ مومنہ ،صالحہ ،شریفہ ،عفیفہ اور ہر پلیدی سے محفوظ ہو ورنہ اس کے شوہر یعنی نبی کا نام خراب ہو گا اور اس کے کردار پر انگلی اٹھے گی ؟!'' نبی کی کونسی ذمہ داری باقی رہ جاتی ہے جبکہ اس نے ایک عورت سے شادی کی اس کی اصلاح ورہنمائی اور نصیحت میں بھرپور کوشش کی اس کے باوجود وہ کفر و فسق ،نافرمانی اور فحشاء پر جمی رہ جائے جیسا کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی زوجات کے ساتھ پیش آیا۔

یہ قرآن مجید ، عقل و خرد کی کتاب ہے جس میں خداوند متعال ہمیں کچھ عقلی قواعد وضوابط کی طرف الہام وارشاد کرتا ہے کہ جس کی طرف استناد کرنا چاہیئے اور ان قواعد میں سے اہم ترین قاعدہ "اہم کو مہم پر مقدم کرنا ہے" بر فرض اگر کسی داستان میں مثلاً حضرت یوسفؑ اور زلیخا عزیز مصر کی زوجہ کی کہانی میں پریشانی اور حرج پیش آئے کہ جناب زلیخا توبہ کرنے کے بعد حضرت یوسفؑ جیسے مکرم نبی کی زوجہ بن گئیں تھیں تو اس سے کیا ہوا اس سے قبل انھوں نے جو برے افعال انجام دیئے ہیں ہم کو جانبِ اہم کو غلبہ دینا ہے یعنی عبرت حاصل کرنے اور ہدایت ورہنمائی کا کام مکمل ہونے کے لئے ان جرائم اور بُرے افعال کا ذکر کرنا ضروری ہے اور انھیں جانب مہم پر مقدم رکھنا ہے۔ اور وہ مہم ہے " نبی کی زوجہ کو بدنامی سے بچانا جبکہ وہ اپنے برے اعمال

سے توبہ کر چکی ہے" اور یہی وہ کام ہے جسے اللہ عزو جل نے اپنی کتاب قرآن مجید میں انجام دیا ہے اس لئے کہ اس نے اس داستان کو مفصل طور پر اس کی تمام حساس اور پریشان کن جزئیات کے ساتھ ذکر کیاہے۔

ماضی سے وابستگی، مستقبل میں عقل کو جلا بخشتی ہے؟

ہاں! یہ ماضی کی طرف پکارنا ہے لیکن سالم بنیادوں پر مستقبل کو بنانے کے لئے ضروری ہے۔جی ہاں! یہ زمانۂ سابق میں گذرے واقعات میں عقل کو الجھانا ہے مگر عقل کی صحیح فکر کی طرف رہنمائی کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ اسی سے عقل کو صحیح اور سیدھا راستہ مل سکتا ہے اور حساب و کتاب کے دن نجات و کامیابی اور خوشنودیٔ خدا کا حصول اسی سے وابستہ ہے۔

اگر یہ سب آپ نے سمجھ لیا ہے تو یقینا بہت سے سوالات اور شبہات جو آپ کے ذہن میں گھومتے رہتے تھے عنقریب زائل ہو جائیں گے۔

یہ نہ کہو کہ:

کیوں ہم گذشتہ زمانوں میں پیش آئے واقعات کو بھلا نہیں دیتے تاکہ ہم سب مل کر مستقبل کی طرف آگے بڑھیں ؟اس لئے کہ پھر آپ کو جواب دیا جائے گا کہ کبھی خراب ماضی کی بنیاد پر مستقبل کی صاف شفاف عمارت تیار نہیں ہو سکتی، ہمیں قرآن مجید نے یہی سکھایا ہے اسی لئے اس نے اس قسم کے واقعات کو بیان و آشکار کر دیا ہے!

یہ نہ کہو کہ:

ماضی کے جذباتی اور حساس واقعات کو ہم کیوں اچھالتے ہیں؟ اس لئے کہ پھر آپ سے کہا جائے گا کہ تبلیغ و ہدایت میں یہی اللہ کی روش ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

یہ نہ کہو کہ:

کیوں ہم ان پریشان کن تفصیلات و واقعات پر پردہ نہیں ڈالتے؟ ورنہ آپ کو جواب ملے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے اوپر پردہ نہیں ڈالا ہے جبکہ وہ تفصیلی واقعہ ایک نبی کی زوجہ سے متعلق ہے جو توبہ بھی کر چکی تھی تو پھر ہم ان کے کرتوت سے پردہ پوشی کیوں کریں جنہوں نے توبہ بھی نہیں کی ہے اور ان کے دلوں میں اصلاً ایمان بھی داخل نہیں ہوا ہے!

یہ نہ کہو کہ:

کیوں ہم نبیؐ کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں ان کی زوجہ کو رسوا کر کے؟ اسی لئے کہ پھر آپ کو جواب ملے گا کہ کیا اللہ نے اپنے دو نبیوں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کے ساتھ برا سلوک کیا ہے جو ان دونوں نبیوںؑ کی زوجات کو رسوا کیا ہے؟ !

دوسرا مقدمہ

کیوں ہم عائشہ کو نہیں چھوڑتے جبکہ وہ مر چکی ہے اور اس کا حساب و کتاب اللہ کے اوپر ہے؟

آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مانیں یا نہ مانیں عائشہ بہر حال رسول خداؐ کی زوجہ ہے اور اس کا احترام رسول خداؐ کا احترام ہے، تو کیا یہ ادب و مردانگی نہیں ہے کہ ہم رسول خداؐ کے احترام کو ان کی زوجہ میں ملحوظ رکھیں اور اس کا برائی کے ساتھ تذکرہ نہ کریں چاہے اس نے غلطیاں ہی کیوں نہ کی ہوں؟ کیا آپ کو شاعر کا یہ شعر نہیں سنائی پڑا ہے۔

فَیا حُمیرا سبّك محرّم لاجلِ عینٍ الفُ عینٍ تُکرم

"اے حمیرا تجھے گالی دینا حرام ہے اس لئے کہ ایک آنکھ کے احترام کی خاطر ہزاروں آنکھوں کا احترام کرنا پڑ جاتا ہے"۔

پھر ہم کیوں زبردستی کرتے ہیں اور نبی کریمؐ اور ان کی زوجہ کے بیچ کود پڑتے ہیں اور شاید ہم اس عمل کے ذریعہ رسول خداؐ کی اذیت کا باعث بن رہے ہیں؟!

اس لئے کہ اگر اس نے خطا کی ہے تو اس کا حساب اللہ کے اوپر ہے اور جناب رسول خداؐ قیامت کے دن اس کے امور کے ذمہ دار ہوں گے نہ کہ ہم، اور ہمیں کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے خداوند

متعال اپنے رسولؐ کے احترام میں ان کی زوجہ کی خطاؤں سے در گذر کر دے !تو کیا یہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم اس کی شان میں جسارت کرنے سے اپنی زبانوں کو باز رکھیں ؟!

اس کا جواب :

ہر گز نہیں !عائشہ ،رسول خداؐ کی زوجہ ہے ہی نہیں !اس لئے کہ جو عورت اپنے شوہر کے ساتھ خیانت کرتی ہے وہ اپنا اعتبار کھو دیتی ہے اور عائشہ کی خیانت کئی مقام پر آشکار ہو چکی ہے جیسے کہ رسولؐ خدا کو زہر دینے میں اور انھیں قتل کرنے میں، اس کی شراکت اور جناب سیدہ دختر رسول خداؐ کو اذیت دینے میں ،رسول خداؐ کے وصی وجانشین کے خلاف خروج کرنے میں،اور جناب رسول خداؐ کے نواسے کے جنازے کو تیر باران کرانے میں اور دین محمدیؐ کے احکام میں تحریف کرنے میں،اور غیر مردوں کو رسول خداؐ کے گھر (حجرۂ رسولؐ) میں داخل کرنے میں ۔

اور جب اس عورت کی اپنے شوہر کے ساتھ خیانت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے تو پھر ان دونوں کے درمیان اعتباری و قرار دادی رشتہ بھی منقطع ہو گیا لہٰذا اس کا احترام رسول خداؐ کا احترام نہیں ہو گا اور نہ ہی وہ آپ کی زوجہ شمار ہو گی اور اس سلسلہ میں جناب رسول خداؐ اور ان پاک وپاکیزہ اہل بیتؑ سے منقول دینی متون وروایات، عائشہ کے سلسلہ میں خاص طور سے اس بات کی تاکید کرتے ہیں۔

اور پھر اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ وہ رسول خداؐ کی زوجہ ہے تو اس سے کوئی شرعی رکاوٹ نہیں بنتی کہ ہم اس کے کرتوت وجرائم کو اس کی طرف نسبت نہ دیں اور اس کے گناہوں

اور خطاؤں کا محاسبہ نہ کریں اور اس میں اس کے شوہر کی کوئی ہتک حرمت نہیں ہے اس لئے کہ اسطرح کے مقامات پر شریعت بھی اور عرف عام بھی میاں بیوی کے سلسلہ میں تفریق کا قائل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ رشتہ ایک تجارتی رشتہ کے مانند ہے جو منفعت کے اوپر قائم رہتا ہے جیسے کہ اسیر شدہ کنیز ہوتی ہے اور اس کا یہ رشتہ، شرعی سبب کے ذریعہ قائم ہوا ہوتا ہے نہ کہ نسب و قرابت داری کی بنیاد پر، سبب کا تعلق ختم ہو جاتا ہے، نسب کا نہیں۔

بلکہ نسبی رشتہ بھی اگرچہ ختم نہیں ہوتا پھر بھی بیٹے یا بیٹی کی طرف جرائم کی نسبت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ کسی طرح ان کے باپ کے ساتھ برائی نہیں ہے اگر اس نے تربیت اچھی دی ہو اس کے باوجود بیٹی یا بیٹا راہِ فساد و گمراہی و سرکشی پر مصرّ ہوں ایسی صورت میں ان کے درمیان اعتباری و قراردادی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی داستان قرآن مجید نے حضرت نوحؑ کے حوالہ سے بیان کی ہے جناب نوحؑ نے اپنے پروردگار کو یہ کہتے ہوئے پکارا

رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَھۡلِیۡ "پالنے والے میرا بیٹا میرے اہل سے ہے"

اس وقت اللہ نے انھیں جواب دیا:

یَانُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَھۡلِکَ "اے نوح یہ آپ کے اہل سے نہیں ہے"

اور اس کی وجہ، اللہ نے یہ بتلائی کہ

اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ "یہ جو کر رہا ہے یہ کام اچھا نہیں ہے"۔[2]

یہی صورت حال عائشہ کی نسبت بھی ہے وہ اسی نقطہ ٔ نظر سے اگر چہ رسول خداؐ کی زوجہ تھی لیکن آپ کے اہل میں سے نہیں تھی کیونکہ اس کا کردار و عمل، غیر صالح تھا خاص طور سے اس لئے بھی کہ رسول خداؐ سے اس کا رشتہ، منقطع ہو جانے والا سببی رشتہ تھا نہ کہ منقطع نہ ہونے والا نسبی رشتہ۔ اس کے علاوہ جن جرائم کو ہم اس کی طرف نسبت دیتے ہیں وہ آنحضرتؐ کی شہادت اور ان کے گذر جانے کے بعد کا ہے تو پھر اس طرح ان دونوں کے درمیان رشتہ ختم ہونے کا زیادہ عنوان رجحان رکھتا ہے آپ لوگ اس مسئلہ میں دقت نظر سے کام لیں۔

اور اگر ہم کسی کو اس کی اہل و عیال میں احترام کو واجب قرار دیں اس طرح کہ پھر اس کی طرف اس کے کرتوت کی نسبت بھی نہ دیں اور اس کے جرائم کو بیان نہ کریں تو پھر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم حضرت آدمؑ کا ان کے بیٹے قابیل میں احترام کا خیال رکھیں اور حضرت نوحؑ کے بیٹے اور بیوی میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھیں اور حضرت لوطؑ کی بیوی میں ان کے احترام کا تحفظ کریں!

اور یہیں پر بات ختم نہیں ہو گی بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ہر مومن و متقی کا اس کے اہل و عیال میں احترام ملحوظ رکھیں چاہے اس کے اہل و عیال کافر، فاسق و فاجر اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں اور طوطے کی طرح اس مصرعہ کی رٹ لگاتے رہیں "ایک آنکھ کی خاطر ہزار آنکھوں کا احترام کیا

(2) سورہ ہود، آیت ۴۶،۴۷۔

جانا چاہیئے'' پھر ہم کسی قاتل سے قصاص نہ لیں اگر اس کا باپ نیک ہو، کسی زانیہ عورت پر حد زنا جاری نہ کریں اگر اس کا شوہر متقی و پرہیز گار ہو! ایسی بات تو کوئی عاقل انسان نہیں کہہ سکتا۔

کیا خود عائشہ نے حرمتِ رسول خداؐ کو محفوظ رکھا کہ ہم اس کی حرمت محفوظ رکھیں؟!

عائشہ نے خود ہی رسول خداؐ کی حرمت کا پاس ولحاظ نہیں رکھا ہے اس نے آنحضرتؐ کی ہتک حرمت کی ہے کیونکہ اس نے رسول خداؐ کی طرف بری بری چیزوں کی نسبت دی ہے مثال کے طور پر آنحضرتؐ کے نام سے (رضاع کبیر) [3] کو مباح قرار دیا ہے اسی طرح اس نے رسول خداؐ کا ان کے اہل بیتؑ اور قریبی رشتہ داروں میں احترام محفوظ نہیں رکھا ہے بلکہ ان کی ہتک حرمت کی ہے باوجودیکہ رسول خداؐ نے اپنے اہل بیتؑ اور قریبی رشتہ داروں کے سلسلے میں بڑی سفارشیں کی تھیں اور ان کے وجوب احترام کا حکم، ان سے مودت اور ان کی اطاعت کا حکم پہنچادیا تھا۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ "اے نبیؐ آپ کہہ دیں کہ مجھے تبلیغ رسالت پر سوائے قرابت داروں کی مودت کے کوئی اجر وجزاء نہیں چاہیئے"[4]۔

مگر اس نے اہل بیتؑ کے حق میں ایسے منحوس ومکروہ کردار پیش کئے کہ قیامت تک کے لئے اس نے اپنا چہرہ سیاہ کرلیا ہے صحیح تو یہ تھا کہ اسی دوران اس کے ساتھ مقابلہ بمثل ہوتا اور اس

---

(3) محرم بننے کے لئے جواں سال انسان بھی عورت کا دودھ پی کر محرم بن سکتا ہے (فتوائے ام المومنین)۔

(4) سورہ شوریٰ، آیت ۲۳۔

کی حرمت کو (اگر وہ محترم ہوتی تو) محفوظ نہ رکھا جاتا اس لئے کہ حرمتوں کے ہتک پر قصاص ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے: وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (5)۔

"اور حرمتوں پر قصاص ہے لہٰذا جو تمہارے اوپر ظلم وزیادتی کرے تم بھی اسی کے مانند اس کے اوپر زیادتی کرو جتنا تمہارے اوپر اس نے زیادتی کی ہے"۔

ہاں ہم اس کی زیادتیوں کا جو اس نے رسول خداؐ پر اور ان کے پاک وپاکیزہ اہل بیتؑ پر روا رکھی ہے جواب دے رہے ہیں! پس اپنی زبانوں کو باز نہیں رکھ رہے ہیں کیونکہ اس نے اپنی زبان کو باز نہیں رکھا اس کے علاوہ ہم اس کے بارے میں بس وہی کہتے ہیں جو حق و حقیقت ہے اور اس طرح لوگ اس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے اور اس کی پیروی نہیں کریں گے اور رسول خداؐ کی شریعت کے مخالف تعلیمات کو نہیں اپنائیں گے ہم اس کے مانند نہیں کریں گے کہ اس نے باطل کے ساتھ بڑی زبان درازیاں کی ہیں اور حضرت زہراؑ، ائمہ معصومینؑ جو کہ بنصِ قرآن، معصوم ہیں کے خلاف بڑی بدزبانی کی ہے۔

معافی نہیں بلکہ خدا اس کے عذاب کو دوگنا کردے گا

یہ دعویٰ قابل سماعت ہے ہی نہیں کہ خداوند متعال اپنے نبیؐ کے احترام میں اسے معاف کردے گا اس لئے کہ یقین کو شک توڑ نہیں سکتا ہے بلکہ اگر یہ دعویٰ تسلیم کرلیا جائے تو الٰہی عدل

---

(5) سورہ بقرہ آیت ۱۹۴ ۔

وانصاف کے قانون پر حرف آتا ہے کیونکہ پھر کوئی دوسری عورت کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ جرم وجنایت کرے اور اللہ اسے معاف نہ کرے تو وہ بروز قیامت چیخ کر کہہ سکتی ہے کہ:

''اے میرے خدا عجیب بات ہے تونے عائشہ کو معاف کر دیا اور مجھے معاف نہیں کیا جبکہ ہم دونوں ایک ہی جرم میں برابر کے شریک ہیں اور تونے اسے تو معاف کر دیا کیونکہ وہ تیرے نبیؐ کی زوجہ تھی بس اور مجھے مغفرت سے محروم کر دیا کیونکہ میں تیری خلائق میں سے کسی ایک مخلوق کی زوجہ ہوں! تو پھر تونے مجھے اپنے نبیؐ کی زوجہ کیوں نہیں بنایا تاکہ میرے جرائم کا بھی حساب نہ لیا جاتا اور مجھے معاف کر دیا جاتا؟! یہ تو سراسر ظلم ہے''؟!

پھر اس صورت میں عدل الٰہی کے اثبات کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں رہ جاتا سوائے یہ کہ خدا اس عورت کو بھی معاف کر دے یہی نہیں بلکہ ہر مجرم مرد اور مجرمہ عورت کے ساتھ یہی کرے تاکہ خلائق میں سے کوئی ایک بھی اللہ کے خلاف حجت نہ کر سکے کہ اس نے تمام گناہگاروں میں ایک گناہ گار عورت کو خصوصیت دی ہے اور اس کے سارے جرائم کو اس لئے معاف کر دیا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے رسولؐ کی زوجیت میں آگئی تھی، اگر ہم اس نظریہ کے قائل ہو جاتے ہیں تو پھر عقاب ہی باطل وبے بنیاد رہ جائے گا اور ہمیں پھر جہنم کے وجود کو بھی باطل قرار دینا ہوگا کیونکہ اس میں کوئی جلے گا ہی نہیں ،خاص طور سے اس لئے بھی کہ مخالفین کہتے ہیں کہ جس شخص کو صحابہ کا ٹائیٹل مل گیا اس کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے ایسی صورت میں اللہ کی ساری خلائق بروز قیامت اس کے اوپر اعتراض کناں ہوگی کیونکہ انہوں نے بھی صحابہ کے مانند جرم و

جنایت کئے ہیں اور گناہوں کی معافی سے صرف اس لئے محروم ہوگئے ہیں کہ انہیں صحبت رسولؐ کا شرف نہیں ملا اور یہ بھی اللہ کے مقرر کردہ امور میں سے تھا جس میں کسی کو کوئی دخل نہیں!

اب اگر آپ نے اس دعوے کی بے ہودگی کو سمجھ لیا ہے تو پھر آپ کے سامنے عدل الٰہی کے اثبات کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم اقرار کرلیں کہ نبی کی زوجہ کو بھی قیامت کے دن عقاب و عتاب ہونا ہے جس طرح دیگر عورتیں، عائشہ جو بھی جرائم و فواحش کی مرتکب ہوئی ہے اس پر اسے سزا ملنی ہے بلکہ اسے تو ڈبل عذاب کا مزہ چکھنا ہے اور یہی وہ مدعیٰ ہے جس کی صراحت خود قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے: يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (6)

"اے نبی کی بیویوں تم میں سے جو بھی آشکارا بدکاری کی مرتکب ہوگی اس کو دوہرے عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے"۔

اب کیا تم کلام خدا پر اعتراض کروگے، چلاؤ اے لوگو! چلاؤ اور یہ بات اپنے ذہن و دماغ سے نکال دو کہ کسی عورت کا احترام صرف اس کے زوجۂ نبی ہونے کی وجہ ہے بلکہ اللہ کے نزدیک برتری کا معیار تقویٰ و پرہیز گاری ہے لہذا اگر اس عورت کے اندر تقویٰ و پرہیز گاری ہے تو اس کا احترام کرو اور عزت و عظمت کے قائل ہوجاؤ لیکن اگر اس کے اندر تقویٰ و پرہیز گاری نہیں پائی جاتی تو ایسی عورت پر پھٹکار ہے خدا اس کا ستیاناس کرے کیا یہ اللہ کا ارشاد نہیں ہے: ضَرَبَ اللَّهُ

(6) سورہ احزاب، آیت ۳۱۔

مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ [7]

"اللہ نے کافروں کے لئے نوحؑ ولوطؑ کی بیویوں کی مثال دی ہے جو ہمارے دو صالح بندوں کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ خیانت کی تو ان دونوں کے لئے خدا کے یہاں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا پس ان دونوں سے کہا گیا جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ"۔

یقیناً عائشہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنمی ہے کیونکہ اس نے رسول خداؐ کے ساتھ خیانت کی ہے! پھر تمہیں کیا پڑی ہے کہ تم اعتراض واحتجاج کر رہے ہو؟!

(7)سورہ تحریم، آیت ۱۰ ۔

تیسرا مقدمہ

کیوں ہم لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی نہیں کرتے؟

ہو سکتا ہے آپ یہ کہیں کہ ہم نے مان لیا کہ عائشہ نے بعض لغزشیں کی ہیں اور اس کے اندر بعض عیوب پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم کیسے اپنے آپ کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اس کو آشکار کریں اور اس کے عیوب کا چرچا کریں؟ کیا شریعت نے ہمیں لوگوں کی جن خطاؤں کا ہمیں علم ہو گیا اسے چھپانے کا حکم نہیں دیا ہے؟ پھر ہم کیوں اس کے عیوب کا تذکرہ کر کے اسے رسوا کر رہے ہیں اور اسلام کے اخلاقیات کی مخالفت کر رہے ہیں؟ اور پھر ان سب میں فائدہ ہی کیا ہے؟

جواب : آپ کا یہ کہنا کہ ''اس کی کچھ لغزشیں ہیں اور اس کے اندر بعض عیوب پائے جاتے ہیں''

اولاً:

تو یہ جملہ اس کے بھاری بھر کم کرتوت اور جرائم نیز تاریخ میں اس کے سیاہ کارناموں کو ہلکا سمجھنا اور کوئی اہمیت نہ دینا ہے اگر آپ کو عائشہ کی تاریخ کا علم ہو جائے تو اسے ایسا گھور پائیں گے کہ جس میں اس کی ذات سے زیادہ بدبو دار چیز نہیں ملے گی اس نے اپنے اندر وہ تمام پلید گیاں ، گندگیاں اور ہلاکت خیز امور جمع کر لئے تھے جسے بشریت نے ایک عورت کے اندر جانا پہچانا ہے!

عائشہ جرم وجنایت میں، سب س زیادہ خون چوسنے والی جونک، دھوکہ بازی میں بے حد زہریلی ناگن اور مکاری ورنگ بدلنے میں چھپکلی اور گرگٹ، بدکاری میں پیشہ ور طوائف ہے اس قسم کی عورت کا سلسلہ قطعاً صحیح نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ وہ بعض لغزشوں اور عیوب کی مرتکب ہوئی ہے اور گویا وہ دیندار وخاندانی عورت تھی کہ جس سے کچھ برائیاں سرزد ہوگئی ہیں!

ثانیاً:

شریعت مقدسہ نے اگرچہ ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کریں مگر اس میں قید لگائی ہے کہ جس کی پردہ پوشی کرنا ہے وہ مسلمان ہو، مومن ہو، لیکن کافر اور منافق اس دائرہ سے باہر ہیں ان دو قسموں کے لوگوں کی عیب جوئی اور ان کے کرتوت کو برملا کرنا جائز بلکہ بعض حالات میں واجب ہے۔

اور اگر آپ اس حکم ''پردہ پوشی'' کے سلسلہ میں وارد آیات وروایات میں باریک بینی سے کام لیں تو آپ کو اس حکم کی واقعیت کا علم ہو جائے گا جناب رسول خداؐ سے مروی اہل سنت کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جو کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے خداوند متعال بروز قیامت اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا''[8]

آپ لفظ ''مسلمان'' پر توجہ دے رہے ہیں ناکہ ضروری ہے وہ شخص مسلمان ہو تاکہ پردہ پوشی اور چشم پوشی کے دائرۂ حکم میں آسکے۔

(8) صحیح بخاری، ج۳، ص۹۸۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے شیعہ روایت میں وارد ہے کہ:" جو شخص کسی مومن کے ایسے عیب کی پردہ پوشی کرے گا جس سے وہ خوف زدہ ہوتا ہے تو اللہ اس کے دنیاوی اور اخروی ستّر عیوب کی پردہ پوشی کرے گا"(9)

اسی طرح امام جعفر صادقؑ کا دوسرا ارشاد ہے:"جس شخص کو کسی مومن کے کسی گناہ یا کسی برائی کا علم ہو جائے اور اس کا وہ گناہ یا برائی برملا کر دے اور اسے پوشیدہ نہ رکھے اور اللہ سے اس کے لئے بخشش طلب نہ کرے تو ایسا شخص اس گناہ کے مرتکب ہونے والے کے مانند ہے اور اس مومن کے گناہ کا عذاب اس کے افشا کرنے والے کی گردن میں چلے جائے گا اور وہ گناہ کا مرتکب مومن بخش دیا جائے گا اور دنیا میں اس کی سزا بس وہی تھی کہ اس کا گناہ فاش کر دیا گیا تو آخرت میں پوشیدہ رہ جائے گا کیونکہ اللہ کو وہ اس سے کہیں زیادہ کریم پائے گا کہ دنیا میں اسے رسوا ہو جانے کے بعد اسے آخرت میں بھی عقاب کرے"۔(10)

آپ لفظ"مومن" پر توجہ دیں یعنی اس شخص کو مومن ہونا چاہیئے تا کہ پردہ پوشی و چشم پوشی کا حکم اسے شامل ہو سکے۔

اور عائشہ نہ مسلمان تھی نہ مومن! بلکہ وہ کافر تھی، منافق تھی! تو پھر اسے یہ حکم شامل نہیں ہو سکتا، اب اگر آپ یہ کہیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ کافرہ تھی منافقہ تھی، تو ہم

(9) کافی، ج۲، ص۲۰۰، اس حدیث میں لفظ (العورۃ) سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے آشکار ہونے سے انسان کو برا لگتا ہے جیسے کہ اسکے گناہ۔

(10) کتاب اختصاص للمفید، ص۳۲۔

آپ سے کہیں گے کہ آپ کا ہم سے دلیل کے مطالبہ کا لازمہ بنے گا کہ ہم اس کے کرتوت بیان کریں اور اس کے اسلام وایمان کو ختم کرنے والے عیوب کا تذکرہ کریں کیونکہ یہی عیوب وکرتوت ہی ہمارے مدعی کی دلیلیں ہیں !تو کیا آپ اپنے مطالبہ کو واپس لے لیں گے تاکہ اپنے سابقہ قول(کچھ لغزشیں اور کچھ برائیاں تھیں)پر باقی رہیں گے یا پھر ہمارے ساتھ آگے بڑھیں گے ؟!اس لئے کہ آپ کے سامنے ان دو باتوں میں سے کسی ایک پر باقی رہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے یا تو آپ یہ کہیں کہ عیوب کا آشکار کرنا مطلق طور پر حرام ہے یا یہ کہیں کہ یہ حرمت مقید ہے کہ کشف عیوب کیا جانے والا شخص، مسلمان، مومن ہو تب حرام ہے۔

اگر آپ نے پہلا نظریہ تسلیم کر لیا تو یقیناً آپ اجماع واتفاق مسلمین کی خلاف ورزی کرنے والے قرار پائیں گے کیونکہ تمام مسلمین اپنے مسلک ومذہب کے اختلاف کے باوجود ،عبد اللہ بن ابی بن سلول[11] کے عیوب کو کشف وآشکار کرنے سے باز نہیں آتے حالانکہ وہ اسلام کا اظہار کرنے والا نبی اعظمؐ کا صحابی تھا اور جب وہ مر گیا تو رسول خداؐ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی ہے ! اور اگر آپ معترض ہوں گے تو آپ سے کہا جائے گا کہ ہم اس کے عیوب کو آشکار اور اس کے کرتوت کی نشر اشاعت اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ منافق تھا اور باطنی طور پر مسلمان نہیں تھا اور ایسا شخص اس حکم سے خارج ہے جس میں عیوب کی پردہ پوشی اور نظر انداز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ثبوت آپ کو نقلی وروائی دلیلوں سے استناد کرنے کے بعد یقین

(11)عبد اللہ بن ابی بن سلول مدینہ کا عہد نبوی میں بڑا منافق تھا اس ملعون نے جناب رسول خداؐ کو اذیت دینے کے لئے کئی مرتبہ سازشیں رچیں اور آپ کے خلاف رہا لیکن اس کے باوجود جب ہلاک ہو گیا تو اس کی قوم والوں کا دل جیتنے کے لئے اور انھیں پابند اسلام بنائے رکھنے کے لئے جناب رسولخداؐ نے اس کے لاشے پر نماز جنازہ پڑھی۔

واطمینان دلائے گا اور یہی کرتوت اور عیوب ہیں جسے ہم نشر کرتے ہیں اور آشکارا بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی حقیقت کا علم ہو جائے۔

اور اگر آپ نے دوسرا نظریہ مانا تو ہم آپ کے نظریہ کی تردید میں مصادیق پیش کریں گے اور آپ سے مطالبہ کریں گے کہ آپ فلاں مصداق کو دیکھیں فلاں شخص کے بارے میں علم حاصل کریں کہ کیا وہ مسلمان اور مومن ہے کہ اس کی برائی اور عیب جوئی حرام ہو یا ایسا نہیں ہے ایسی صورت میں بھی آپ کو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ اس کے عیوب کا پردہ چاک ہونا چاہیئے تاکہ ہم اس کی جانچ پڑتال کریں اور اس کے سلسلہ میں غور وفکر سے کام لیں اسی لئے ہم عائشہ کے عیوب کو برملا کرتے ہیں اور یہ عمل من باب المقدمہ اور تمہید عمل ہے۔

علم رجال ...لوگوں کے عیوب جاننے کا علم ہے!

ثالثاً:

علماء مسلمین کو آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے مستقل طور پر ایک علم تشکیل دیا ہے جس میں لوگوں کے حالات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے ان کے عیوب کی چھان بین ہوتی ہے ان کے نواقص و معائب کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ان کی ردّو قدح کی جاتی ہے اور ان کی دینداری و دیانتداری کتنی ہے کو جاننے کے لئے چھان بین ہوتی ہے !اس کے باوجود آپ کسی کو اعتراض کرتا ہوا نہیں پائیں گے کہ یہ کام تو اسلام کے اخلاقیات کے خلاف ہے یا یہ غیبت ہے اور غیبت جائز نہیں ہے یا یہ

کہ یہ عمل تو حدیث شریف کے سراسر خلاف ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے: "اپنی میتوں کے محاسن اور ان کے نیک کاموں کا تذکرہ کرو اور ان کی برائیوں سے باز رہو"[12]

یہ علم جسے ہماری اصطلاح میں "علم رجال" اور ہمارے مخالفین کے یہاں "علم جرح وتعدیل" کہا جاتا ہے اس کا مقصد راویوں اور محدثوں کے حالات بیان کرنا ہے تاکہ ثقہ اور عادل کو غیر ثقہ اور غیر عادل سے جدا کیا جاسکے آپ اس علم میں بے پناہ عیوب وبرائیوں کو دیکھیں گے کہ جسے لوگوں کی طرف نسبت دی گئی ہے اور وہ بھی نام بنام کہ فلاں کذاب ہے، فلاں ملاوٹ کرنے والا ہے، فلاں بہت بڑا جعل ساز ہے اور فلاں سچ اور جھوٹ کو مخلوط کرنے والا ہے، فلاں فاسق ہے اور فلاں خبیث ہے اور فلاں دجال ہے اور فلاں برا ہے اور فلاں ہلاک ہونے والا ہے اور فلاں تلف ہونے والا ہے وغیرہ۔ اس طرح کے بہت سے عنوان وصفات اور جرائم ان لوگوں کے حالات زندگی میں ذکر ہوئے ہیں جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے اور جن کے باعث ان کی جرح کی گئی ہے اور وثاقت اور عدالت سے انھیں خارج کیا گیا ہے اور ان اسباب وعلل میں سے شراب نوشی، قتل، بدکاری وفاحشہ وغیرہ کا انجام دینا ہے۔

علماء اس میدان میں اتر پڑے ہیں اور اپنے اس عمل کو انہوں نے جائز ٹھہرایا ہے حالانکہ اس علم سے لوگوں کی عزت و آبرو خاک میں مل جاتی ہے حتی کہ مُردوں کو بھی اس میں نہیں بخشا جاتا بلکہ انھیں کی زیادہ کھنچائی ہوتی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ راوی لوگ اپنی احادیث کے

(12) یہ حدیث کبھی تو جناب رسول خداؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں جلد ۲ صفحہ ۴۵۶ پر ہے اور کبھی حضرت امیر المومنین علیؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جیسے کہ بحار الانوار میں جلد ۷۲ صفحہ ۲۳۹ پر مخالفین کے سلسلۂ سند سے ذکر ہوئی ہے۔

ذریعہ ہمارے لئے دین کے احکام نقل کرتے ہیں لہٰذا ان کی وثاقت وعدالت کا پختہ ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی احادیث وروایات پر عمل کرنا صحیح ہو جائے اور اگر ہم نے ان امور سے چشم پوشی کرلی اور ہم نے ان کی نقل کردہ ساری چیزوں کو قبول کرلیا تو یقیناً دین میں فساد برپا ہو جائے گا اور شریعت کے احکام متغیر ہو کر رہ جائیں گے۔

بنابریں ان لوگوں کے عیوب کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور اس کی اشاعت و تشہیر بھی ہونی چاہیئے اس لئے کہ شریعت مقدسہ کے احکام کا تحفظ بعض لوگوں کی ساکھ بچانے سے کہیں زیادہ ضروری ہے اور احکام شریعت کا تحفظ بس اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ثقہ اور عادل راویوں کے سلسلہ میں چھان بین کریں تاکہ ان کی نقل کردہ روایتوں پر اعتماد پیدا ہو اس کے لئے کہ ہم فاسقوں، فاجروں اور کاذبوں اس طرح ضعیف و بے مطلب لوگوں کو تمیز دے سکیں اس کے لئے لازم ہے کہ ہم ان کے حالات اور ان کی تاریخ زندگی کا جائزہ لیں اور اعمال وکردار کی جانچ پڑتال کریں اور اسی چھان بین اور تبین و تحقیق کا اللہ نے ہمیں قرآن مجید میں حکم دیا ہے ارشاد ہوتا ہے: يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡا اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ۔ [13]

---

(13) سورہ حجرات، آیت ۷، اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خبر اور خبر دینے والے دونوں کے سلسلہ میں چھان بین واجب ہے اور فاسق کی خبر کو ٹھکرا دیا جائے بلکہ نقل روایت میں ہر غیر ثقہ یا مجہول الحال کی خبر تسلیم نہ کی جائے تاکہ کسی قوم پر نادانی میں حملہ آور نہ ہو جائیں یہی علت آیت کے ذیل میں ذکر ہوئی ہے مگر یہ کہ خبر کا سچا ہونا کسی قرینہ یا بیرونی تائید کرنی والی چیز کے ذریعہ پتہ چل جائے۔

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لیکر آئے تو چھان بین کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ جہالت کے باعث کسی قوم پر حملہ آور ہو جاؤ اور تمہیں بعد میں اپنے کئے پر شرمندہ ہونا پڑے"۔

یہی جائز ٹھہرانا اور علم رجال میں عیب جوئی اور پردہ پوشی نہ کرنا وغیرہ کو ٹھیک سمجھنا یہاں بھی جاری ہے اس لئے کہ عائشہ کم از کم ایک راوی کی ٹولی میں شامل تو ہے بلکہ کثرت سے روایت کرنے والوں میں شامل ہے اس لئے کہ ہمارے پاس اس سے روایات کردہ کم از کم دو ہزار روایتیں موجود ہیں(14) اور یہ ایک بڑی مقدار ہے جس سے نہ چشم پوشی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی صاحب روایت کو نظر انداز کیا جانا چاہیئے خاص طور سے اس لئے بھی کہ ہم اس کی روایات میں ایسی شرم آور اور بھدی چیزیں بھی دیکھتے ہیں کہ جس کو دین کے نام پر بنیاد بنایا گیا ہے جیسے رضاع کبیر کا قضیہ۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عورت کے حالات زندگی کا باریکی سے جائزہ لیا جائے اسکی سوانح حیات اور اعمال و کردار کا علم حاصل کیا جائے تاکہ ہمیں پتہ چل جائے کہ اس سے اخذ روایات صحیح ہے بھی یا نہیں ؟! اور اگر ہم بحث و تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اس سے اخذ کرنا صحیح نہیں ہے تو پھر ہمارے اوپر لازم ہو جائے گا کہ ہم اس کے کرتوت، برائیوں اور مثالب ورذائل کو برملا کریں تاکہ دوسرے مسلمان بھی اس سے اخذ روایت کرنے سے گریز کریں اور اسی میں دین کا تحفظ، انحراف سے بچاؤ اور بقاءِ دین کی ضمانت اور اس کی پاکیزگی وطہارت

(14) سنی معاصرین میں سے ایک محقق نے ان کی تعداد تقریبا ۵ ہزار تک پہنچادی ہے۔

ہے اور یہ بہت بڑا ہدف، قیمتی مقصد اور اہم غرض وغایت ہے جس کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ اس کی سوانح حیات کو پیش کریں اور اس کی برائیوں کی جانچ پڑتال کریں اور اسے رسوا کریں بالکل اسی طرح سے جس طرح علماء علم رجال کو اس کام کے کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

شریعت نے ہمیں کثرت سے سبّ وشتم کا حکم دیا ہے!

جس طرح شریعت مقدسہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مومن کے عیوب کی پردہ پوشی کریں اسی طرح مقابل میں اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم بدعت گذار کے عیوب کو برملا اور اس کا پردہ فاش کریں بلکہ شریعت نے ہمیں کثرت سے اس کی برائی کرنے کا حکم دیا ہے چاہے سب و شتم کرنا پڑے تاکہ لوگ اس سے برحذر رہیں اور اس کی بدعتوں کو نہ سیکھ لیں جناب رسول خداؐ کا فرمان ہے: جب تم میرے بعد اہل شر اور بدعت گذاروں کو دیکھو تو ان سے برائت کا اظہار کرو اور کثرت سے ان پر سبّ وشتم کرو اور ان کی برائیوں کو برملا کرو اور انھیں لاچار بنا کے چھوڑو تاکہ وہ اسلام میں فساد برپا کرنے کی ہمت نہ کر سکیں اور لوگ ان سے برحذر رہیں اور ان کی بدعتوں کو نہ سیکھ لیں کہ اللہ اس کے بدلہ تمہارے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھ دے گا اور آخرت میں اس عمل کے بدلہ تمہارے درجات کو بلند کر دے گا۔[15]

(15) کافی: ج۱، ص۳۷۵، "ریب" سے مراد شک وشبہ ہے اور اس کے مصادیق اہل شک وشبہ ہیں جو مومنین کو ان کے عقائد اور احکام دین میں شبہ میں ڈالتے ہیں "باھتوھم" سے مراد دلیل وبرہان کے ذریعہ دشمنوں کو دہشت وحیرت میں ڈالنا ہے اور منھ توڑ جواب دے کر انھیں ایسا بے بس کر دینا ہے کہ وہ لاجواب ہو کر چپ اور عاجز ہو جائیں جیسے کہ ارشاد پروردگار ہے" فبھت الذی کفر "پس جو کافر "نمرود" تھا وہ مبہوت وحیران رہ گیا (سورہ بقرہ: آیت ۲۵۹) ۔

اور اس طرح تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ شریعت کتنی حکمت آمیز ہے یقینا یہ شریعت باوجود کہ کہ غیبت اور لوگوں کی عیب جوئی کو شدت کے ساتھ حرام قرار دیتی ہے مگر استثناء کے بھی قائل ہے جو نفس شریعت کی حفاظت اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے نہایت ضروری ہے اسی لئے آپ کو ملے گا کہ فقہاء بہت سے مقامات پر اس طرح کے استثناء کے قائل نظر آتے ہیں مثال کے طور پر دعوے دار کے گواہ کی برائیوں اور عیوب کی جرح کرنا جائز ہے جبکہ وہ دفاع اور گواہی کے طور پر قاضی کے پاس پیش ہو رہا ہو اسی طرح مشورہ لینے والے سے حقیقت بیانی میں عیوب کا تذکرہ کرنا جائز ہے، اسی طرح ستم رسیدہ کے لئے اپنے اوپر ہوئے ظلم و ستم کی شکایت بیان کرنا جائز ہے قرآن نے فاسق و فاجر کو استثناء کیا ہے اسی طرح جو شخص بس اسی صورت میں گناہ سے باز رہے جبکہ اس کے کرتوت کو برملا کر دیا جائے تو ایسی صورت میں عیوب کا برملا کرنا جائز ہے تا کہ وہ اس سے باز رہے اس کے علاوہ بھی مقامات ہیں جنہیں فقہی کتب و متون میں استثناء کیا گیا ہے۔

اگر آپ نے ہماری پیش کردہ باتوں میں غور و فکر کرلی ہے تو آپ کو اس فائدہ کا بھی علم ہو جائے گا کہ ہم عائشہ اور اس کے جیسی عورتوں کی شخصیت کے سلسلہ میں بحث اور اس کے کرتوت و شرارتوں اور خباثتوں کو بیان کیوں کرنا چاتے ہیں، اس لئے کہ اس خبیث عورت نے تحریف و جعل سازی کر کے پورے اسلام کو پیچھے پٹکھ دیا ہے اور دین اسلام کی تحریف کر ڈالی ہے۔

چوتھا مقدمہ

کیوں ہم فتنہ سے بچنے کے لئے دوسروں کی محترم چیزوں کا احترام نہیں کرتے؟

ہو سکتا ہے آپ یہ کہتے ہوئے اپنی بیزاری کا اظہار کریں کہ عائشہ برائیوں، شرارتوں کی ماں تھی تو ہوا کرے لیکن آج تو وہ... ہماری ناپسندیدہ ذات ہونے کے باوجود... مخالفین کے نزدیک مقدس عنصر ہے اور وہ جتنی اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں عالم وجود کی کسی بھی عورت کی اتنی تعظیم و تکریم نہیں کرتے! تو پھر کیوں ہم اس کی برائیوں کو بیان کر کے انھیں للکاریں اور ان کے اور اپنے درمیان جذباتی فاصلے پیدا کریں؟ اس کے برعکس ہمیں چاہیئے کہ ان سب چیزوں سے چشم پوشی کریں اور اس سے باز رہیں تاکہ معاشرہ میں میل جول قائم رہے اور مذہبی نفرتیں ختم ہو جائیں، جیسا کہ ہم نے عائشہ کے کرتوت نشر کئے ہیں جو مخالفین کی طرف سے مقابلہ بمثل کے باب سے وہ ہمارے آقاؤں اہل بیت طاہرینؑ پر زبان درازیاں کر سکتے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد بھی ہے کہ: ولا تسبّوا الذین یدعون من دون الله فیسبّو الله عدواً بغیر علم [16]

"جو لوگ غیر خدا کے پجاری ہیں انھیں گالیاں نہ دو کہ دشمنی میں وہ پلٹ کر اللہ کو برا بھلا نہ کہہ دیں" لہذا صحیح راستہ یہ ہے کہ ہم ان صفحات تاریخ کو سمیٹ کر رکھ دیں اور منابع و مصادر کے شکم میں جو دفن ہیں انھیں دفن رہنے دیں ؟!

---

(16) سورہ انعام: آیت ۱۰۹۔"

جواب: آپ کی یہ بیزاری کئی جہت سے ناقابل قبول ہے

پہلی جہت :

یہ ہے کہ عائشہ آج جو مخالفین کے نزدیک عنصر مقدس بنی ہے تو اس کی برائیوں سے ناواقفیت اور اس کے دوسرے رخ کے آشکار نہ ہونے کی وجہ سے پس اگر اس کے رخ سے نقاب اتار دی گئی ہوتی تو اس کے سارے کرتوت آشکار ہو جاتے اور پھر لوگ اس سے نفرت و بیزرای کر رہے ہوتے لہذا لازم ہے کہ اس کام پر للکارا جائے تا کہ یہ من گھڑت تقدس ختم ہو کیونکہ جب یہ تقدس ختم ہو گا تبھی معاشرہ سدھر سکے گا اور معاشرہ کے اندر انسجام، میل جول پیدا ہو گا اور اختلافات کے اسباب زائل ہوں گے اور یہ انکشاف اور تاریخی حقائق کا اظہار زیادہ مفید ہے ان پر پردہ پوشی کرنے سے، کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے کسی قسم کا اتحاد اور میل جول نہیں ہو سکتا آپ واقعات تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لیں کہ بعض گروہوں کی پردہ پوشی اور اسباب اختلاف کو چھپانے کے باوجود، اختلاف کے اسباب نئے سرے سے میدان میں پلٹ آتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ برے حالات اور حادثات کا باعث بن جاتے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ تاریخ کو ختم یا لغو نہیں کیا جا سکتا اور جو حقائق کتب و منابع میں ثبت ہیں انہیں مٹایا نہیں جا سکتا اِدھر ذرا سی مذہبی نوک جھوک ہوئی ادھر تاریخ کے اختلافی اسباب کو ڈھونڈھ نکالا جاتا ہے اور منابع و مصادر سے نئے نئے انداز سے پیش کر کے نفرت کی آگ کے شعلے بھڑکا دئے جاتے ہیں!

خلل کہاں ہے؟ خلل یہ ہے کہ مذاہب و مسالک کے ارباب ان آگ کے شعلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے بلکہ انھیں توڑنے مروڑنے کی فکر میں لگے

رہتے ہیں وہ جرأت و صراحت کے ساتھ اسباب اختلاف کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی سعی نہیں کرتے تا کہ عمومی حساسیت اور عوامی ہیجان ختم ہو جائے، بلکہ معاشرہ کی وحدت کے چکر میں ان کے سلسلہ میں گفتگو کرنے سے بھی منع کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں سارے لاوے دل ہی دل میں پکتے رہتے ہیں اور ایک نہ ایک دن ایسا دھما کہ ہو جاتا ہے کہ جس پر قابو نہیں پایا جاسکتا ہے۔

اختلافی مسائل میں آزادئ بیان کی بازگشت، معاشرہ کے مختلف گروہوں میں مصالحت کی طرف ہوتی ہے

مصلحت اسی میں ہے کہ مذہب کے اختلافی مسائل کو کھلی ذہنیت اور بھرپور صراحت کے ساتھ نقد و تحلیل کرنے کی آزادی ہو اس لئے کہ صراحت بیان ہی ہر گروہ کو دوسرے گروہ کے سامنے بغیر کسی دھوکہ دہی اور فریب کی فکر لاحق ہوئے اپنی پوری بات پیش کر سکتا ہے ایسی صورت میں حروف پر نقاط رکھے جاسکیں گے اور صحیح شکل و صورت معاشرہ کے سامنے کھل کر آسکے گی اور اس وقت معاشرہ حقائق سے واقفیت پیدا کر کے صحیح موقف اختیار کر سکتا ہے اور دینی و مذہبی تناقض سے پردہ اٹھنے کے بعد ہی اور علنی طور پر حقائق کو برملا کرنے سے ہی حساسیت ختم ہو سکتی ہے اور طرح طرح کے اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے کیونکہ ایسی ہی صورت میں معاشرہ ان تناقضات کی حقیقت کو درک اور سمجھ سکتا ہے اور اس کا عادی بن سکتا ہے اور یہ کام گذشت زمان کے ساتھ قانونی دائرہ کار اختیار کر سکتا ہے۔

ہاں ہو سکتا ہے کہ اس راہ میں ابتدائی طور پر سختیاں پیش آئیں اور بعض خطرات سے رو برو ہونا پڑے بلکہ ہو سکتا ہے بعض جگہ مڈبھیڑ کی نوبت آجائے اور جانی نقصان بھی ہو جائے لیکن

انجام کار معاشرہ کے حق میں بہتر ہی ہو گا کیونکہ اس طرح معاشرہ بہت سے دینی و مذہبی حقائق سے بخوبی آگاہ ہو جائے گا اور بہت سے متضاد اور اختلافی امور کے بارے میں بصیرت حاصل کر لے گا اور علمی ترقی اور سمجھ بوجھ کے اضافہ کے ساتھ دھیرے دھیرے معاشرہ قانع ہوتا چلا جا ئے گا اور حق کی جانب میلان بڑھتا جائے گا اور وہ اس حقیقت سے واقف ہو جائے گا کہ حجت اقویٰ کا مالک کون ہے اور اس طرح نئے اساس اور جدید بنیاد کی بناڈالی جاسکے گی اور معاشرہ ایک بار پھر اس نئی بنیاد پر متحد ہو جائے گا۔

اور اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ معاشرہ متحد نہیں ہو گا پھر بھی متضاد اور اختلافی مسائل کے پیش ہونے سے اور علمی طور پر نقد و تحلیل اور آزادی بیان سے اتنا تو فائدہ ہو گا کہ معاشرہ میں مذہبی حساسیت نہیں رہ جائے گی اور معاشرہ اس کا عادی ہو جائے گا اور مختلف گروہ آپس میں بعض مذہبی اختلاف کے باوجود ہم آہنگ تو ہو جائیں گے اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ یہ بات معاشرہ کے حق میں ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک واقعی مثال آپ کے سامنے پیش کروں تو آپ مغربی معاشروں کی مثال لے لیجئے اس لئے کہ آپ مغربی معاشرہ میں یہودی کو پائیں گے کہ وہ نصرانی کے شانہ بشانہ اپنے ملک کی فوج میں ایک ساتھ لڑ رہے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک دوسرے کے سلسلہ میں یہ جانتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا ساتھی تو کافر ہے اور ہمیشہ جہنم میں جلے گا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا پیروکار نہیں ہے اور دوسرا بھی اپنے ساتھی کے بارے میں علم و یقین رکھتا ہے کہ وہ جہنمی اور کافر ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ وہ عیسیٰؑ کی پیروی کرتا ہے اور اس کے خدا کے سلسلہ

میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ مغربی معاشروں میں مذہبی فاصلہ اور دینی متضاد باتوں کے باوجود اس قدر ہم آہنگی ، انسجام اور قومی اتحاد پایا جاتا ہے ؟ جواب وہی ہے جو ہم پیش کر چکے ہیں.

لیکن ہمارے مشرقی اور عقب ماندہ معاشرہ میں آزادیٔ بیان نہیں ہے اور انسان کو اپنے ایمان وعقیدہ اور متضاد و متصادم عقائد کو پیش کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اسی لئے تمہیں معاشرہ میں شدید اختلاف اور مذہبی نفرت نظر آتی ہے لہذا بہتر ہے کہ اس طرح کی رکاوٹیں بر طرف ہو اور یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب صراحت کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے مسائل و اختلافات عقائد بیان کئے جائیں گے۔

اور ہم اسی راہ میں گامزن ہیں اور بڑی صراحت کے ساتھ حقائق کا بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی پتہ چلے کہ ہمارے پاس کیا کیا ہے اس لئے کہ ہمارے مخالفین سب کے سب اتنا تو جانتے ہیں کہ شیعہ حضرات ،عائشہ بنت ابی بکر نامی عورت سے نفرت کرتے ہیں اس کے اوپر لعنت کرتے ہیں اس سے تبرا اور بیزاری کا اعلان کرتے ہیں اور شاید آپ کسی ایسے سنی کو نہ پاسکیں گے کہ جو شیعوں کی اس حقیقت سے واقف نہ ہو۔ہاں یہ اور بات ہے کہ انھیں یہ پتا نہیں ہے کہ شیعوں کے اس عقیدے کے اختیار کرنے کی وجہ کیا ہیں ؟ جس کی بنیاد پر شیعہ حضرات عائشہ کے سلسلہ میں اس قدر شدت اختیار کرتے ہیں اور اس موقف کے اختیار کے منابع و مصادر کیا ہیں اور ان کے پاس اس بیزاری ولعن وطعن کے شرعی جواز کیا ہیں ؟

ان سے صراحت سے بات کرو تاکہ ان کے دل جیت سکو اس لئے کہ انسان جس چیز کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوتا اس کا دشمن ہوتا ہے۔

آج چونکہ جتنے لوگ تشیع کے نام سے گفتگو کرتے ہیں وہ شکست کی بیماری میں مبتلا ہیں اور ان میں مطلوب شجاعت کا فقدان پایا جاتا ہے اس لئے مخالفین کے سوالات مثلاً عائشہ سے شیعوں کو بغض کیوں ہے ؟اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ بلا جواب باقی رہ جاتے ہیں اورانسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے جس چیز کا علم نہیں رکھتا اس کا دشمن ہوجاتا ہے اس لئے آپ مخالفین کو دیکھیں گے کہ وہ اپنی جہالت و نادانی اور اس مسئلہ میں شیعوں کی صحیح وجہوں سے لاعلمی اور حقیقت میں عائشہ جو بڑے بڑے جرائم کی مرتکب ہوئی ہے سے ناواقفیت کی بنیاد پر وہ شیعوں سے بھرپور غضبناک ہوتے ہیں اور ہر شیعہ سے بغض و کینہ رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ تصور کرتے ہیں کہ شیعوں کی عائشہ سے دشمنی کی بازگشت، ہوا و ہوس کی طرف ہوتی ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ عائشہ سے دشمنی ان تعلیمات الٰہی کی بنیاد پر ہے جس کے باعث ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو چاہئیے کہ خدا اس کے رسول اور ان کے اہل بیتؑ کے دشمنوں سے دشمنی کرے۔

اور جو لوگ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وحدت کے تحفظ اور اتحاد کی بقاء کے لئے ان حقائق کو چھپایا جائے، دلائل کو پوشیدہ رکھا جائے اور جواز لعن وطعن کی روایتوں کو مخفی رکھا جائے ایسے لوگ درحقیقت شیعوں پر بغض و کینہ کی موجوں میں اضافہ کر رہے ہیں اور غفلت کا شکار ہیں! ورنہ انھیں کس چیز کی توقع ہے ؟ کیا وہ یہ توقع کرتے ہیں کہ اس کتمان اور پوشیدگی کے باعث مخالفین یہ سوچنے لگیں گے کہ ہم شیعوں کے سلسلہ میں جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ یہ عقیدہ بنا

لیں گے کہ شیعہ عائشہ سے نفرت نہیں کرتے ہیں؟ بلکہ اسے چاہتے ہیں یا اس کے بالکل برعکس ہو گا اور انھیں یقین حاصل ہو جائے گا کہ شیعہ لوگ عائشہ کے بارے میں اپنے جذبات کو چھپا کر انھیں دھوکہ دے رہے ہیں؟!

خاص طور سے ان چاپلوسوں کی وجہ سے جو نام کے اعتبار سے شیعوں میں سے شمار ہوتے ہیں لیکن مخالفین کے سامنے شرم نہیں کرتے اور "ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا" جیسی عبارتیں بَک جاتے ہیں جبکہ یہی لوگ ان کی غیر موجودگی میں عائشہ کا نام بغیر لعنت کے نہیں لیتے۔

دوسری جہت:

اس کلام میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ہمیں اپنوں اور غیر قوموں کے درمیان فاصلہ رکھنا چاہئے کہ جن میں سے بکریین (مخالفین) بھی ہیں مگر یہ تفاوت، شرعی اصول وضوابط کے تحت ہونا چاہیئے اور جب حق گوئی اور ہدایت ورہنمائی کا تقاضا ہو تو اس رکاوٹ اور فاصلہ کو قبول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں اگر ہم حق گوئی اور حقیقت بیانی سے صرف اس لئے گریز کریں کہ وہ برا مان جائیں گے تو یہ ہر گز شرعاً قابل قبول نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ دیا جائے کہ یہ صحیح ہے کہ لوگوں کو نفرت سے محفوظ رکھنا ایک اہم مسئلہ ہے لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ حق کا بیان نہ ہو اور ہم دینی تبلیغ کے وظائف سے شانہ خالی کر لیں امر بالمروف و نہی عن المنکر نہ کریں جبکہ یہ اس سے اہم مسئلہ

ہے اور قاعدۂ عقلی جس کی تائید شریعت سے بھی ہوتی ہے یہ کہتا ہے کہ اہم کو مہم پر مقدم رکھا جائے ہاں بس اسی جگہ نفرتوں سے بچا جا سکتا ہے اور اچھے اخلاق و کردار کے ساتھ پیش آیا جا سکتا ہے جہاں پر حق سے روگردانی اور اپنے معتقدات و حقائق سے دوری و لاپرواہی بیانِ حق سے سہل انگاری کا سبب نہ بنے یقیناً مومن کو چاہئے کہ حتی الامکان دوسروں کے ساتھ نرمی و مدارات کا سلوک اپنائے لیکن جہاں دین و مذہب کا مسئلہ درپیش ہو اسے سخت اور صریح ہونا چاہئے اس لئے حضرت امام امیر المومنین صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں " مومن کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ نرمی میں بھی محکم واستوار ہوتا ہے "۔[17]

اسلوب دعوت میں ہمارے اور ہمارے مخالفین کے درمیان فیصلہ قرآن کرے گا

اگر آپ مزید وضاحت چاہتے ہیں تو ان مثالوں میں غور و فکر سے کام لیں :

اللہ عزوجل نے اہل کتاب سے بحث و مباحثہ اور جدال سے منع کیا ہے سوائے اس کہ احسن طریقہ سے مناظرہ و مجادلہ کی روش اپنائی جائے اس کا ارشاد ہوتا ہے **وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ** "اور دیکھو اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر احسن روش اور اچھے اسلوب کی مدد سے "[18] اس کے باوجود متعدد جگہ پر قرآن مجید نے اہل کتاب کو کفر ،فسق ، بغاوت ، نافرمانی ، قسی القلب جیسے صفات سے متصف کیا ہے ان پر بھی لعنت کی ہے اوران کے اسلاف اور بزرگوں پر بھی لعنت کی ہے اورانھیں آتش جہنم کی دھمکی دی ہے اورانھیں بدترین

---

(17) بحار الانوار: ج۷۵، ص۲۵۔

(18) سورہ عنکوت: آیت ۴۶۔

مخلوق قرار دیا ہے بلکہ ان کے علماء اور دین کے ٹھیکداروں کو "گدھے" سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (19)

"اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہو گئے وہ یقینا جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ مخلوقات میں بدترین ہیں"۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ڽ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (20)

"اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں ان لوگوں کی باتوں کے مشابہ ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں، اللہ انھیں ہلاک کرے، یہ کدھر بھٹکتے پھرتے ہیں"؟

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا (21)

---

(19) سورہ بینہ: آیت ٦۔

(20) سورہ توبہ: آیت ٣٠۔

(21) سورہ مائدہ: آیت ٦٤۔

"اور یہود کہتے ہیں: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خود ان کے ہاتھ باندھ جائیں اور ان پر لعنت ہو اس (گستاخانہ) بات پر"۔

وَ مَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ(22)

"اور جنہیں کتاب دی گئی انہوں نے علم حاصل ہو جانے کے بعد آپس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف کیا"۔

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکۡتُمُوۡنَهٗ ۫ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَ اشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا یَشۡتَرُوۡنَ (23)

"اور (یاد کرنے کی بات ہے کہ) جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ تمہیں یہ کتاب لوگوں میں بیان کرنا ہو گی اور اسے پوشیدہ نہیں رکھنا ہو گا، لیکن انہوں نے یہ عہد پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا، پس ان کا یہ بیچنا کتنا برا معاملہ ہے"۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا (24)

---

(22) سورہ آل عمران: آیت ۱۹۔

(23) سورہ آل عمران: آیت ۱۸۷۔

"اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی اس پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے قبل اس کے کہ ہم (بہت سے) چہروں کو بگاڑ کر ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر اسی طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ (کے دن) والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم تو ہو کر رہتا ہے"۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ﴿﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ ؕ وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا (25)

"کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے؟ جو غیر اللہ معبود اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں: یہ لوگ تو اہل ایمان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کے لیے آپ کوئی مددگار نہیں پائیں گے"۔

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ لَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ (26)

---

(24) سورہ نساء: آیت ۴۷۔

(25) سورہ نساء: آیت ۵۱، ۵۲۔

(26) سورہ حدید: آیت ۱۶۔

"کیا مومنین کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا سے اور نازل ہونے والے حق سے نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی پھر ایک طویل مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے؟ اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں"۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ [27]

"ان کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈال دیا گیا پھر انہوں نے اس بوجھ کو نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، بہت بری ہے ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا"۔

یہ بات مخفی نہ رہنے پائے کہ یہودی اور نصرانی لوگ ان آیتوں کو اپنے حق میں شدید توہین سمجھتے ہیں کیونکہ انھیں کافر، ملعون، باغی، فاسق، ظالم، قسی القلب بدترین خلائق کے عنوان سے متہم و متصف کیا جا رہا ہے اور یہ کہ وہ اپنے علماء کی گدھوں کی طرح پیروی کرتے ہیں اور مسلمانوں کا قرآن انھیں دھمکی دے رہا ہے کہ عنقریب خداوند متعال انھیں قتل کر دے گا اور وہ لوگ آتش جہنم میں ہمیشہ جلائے جائیں گے!

کیا یہ سارے کے سارے اوصاف ان کے اور اسلام و مسلمین کے درمیان نفسیاتی تناؤ کا باعث نہیں ہیں؟ کیا یہ ساری صفتیں ان کی نفرتوں میں اضافہ کا باعث نہیں بن رہی ہیں؟ کیا اس

---

(27) سورہ جمعہ: آیت ۵۔

طرح کی تعبیریں ان کے زیادہ سرکش اور منکر و کافر بننے کا باعث نہیں ہیں؟ واضح سی بات ہے کہ جواب مثبت ہے![28] مگر کیا کیا جائے کہ حق کی تعریف و تشریح کرنے کے لئے انھیں صحیح راستہ پر گامزن کرانے کے لئے ان کے کفر و فساد اور گمراہی کے راستہ کو چھڑانے کے لئے ان اوصاف کا تذکرہ ضروری ہے ورنہ ہم کیسے انھیں تبلیغ کرسکتے ہیں کہ دیکھو تمہارے عقائد باطل ہیں اور تمہارے اوپر لازم ہے کہ دین حنیف کے حلقہ بگوش ہو جاؤ؟! بغیر اس بات کو صریح طور پر بیان کئے ہوئے کہ تم کفر و گمراہی کے شکار ہو تم ایسے اشخاص اور شخصیات کی پیروی کر رہے ہو جنہوں نے دین الٰہی کی تحریف کرڈالی ہے اور عباد و بلاد میں فتنہ و فساد برپا کیا ہے؟! کیسے ممکن ہے کہ ہم انھیں نہ ڈرائیں کہ ان کی عاقبت آگ ہے اگر وہ اپنے باطل عقائد اور باطل دین پر باقی رہ گئے؟

ہاں یہ اوصاف، بڑا اجھٹکا ہیں اور نفرت کا باعث ہیں یا پھر نفسیاتی تناؤ کا باعث بن سکتے ہیں مگر اس جگہ پر ضروری ہے کہ اشیاء کو ان کے ہی نام سے پکارا جائے اور نقطوں کو اس کے حروف پر ہی رکھا جائے کیونکہ اولویت اور اہمیت ہمیشہ حق کے اظہار اور حقیقت کے بیان کو حاصل ہوتی

---

(28) مثبت جواب کے سوا اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا اس لئے کہ قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے کہ وہ اس بغض و کینہ کے باعث روز بروز کفر و سرکشی میں آگے بڑھتے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے (قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

(اے رسول) کہدیجئے: اے اہل کتاب! جب تک تم توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، کو قائم نہ کرو تم کسی قابل اعتنا مذہب پر نہیں ہو اور (اے رسول) آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کرے گی مگر آپ ان کافروں کے حال پر افسوس نہ کریں۔

ہے اور یہ کہ انسان کو اسی دین خدا کی طرف دعوت دی جائے جس سے خدا راضی وخوشنود ہے منصف مزاج انسان کے ذہن سے بہت جلد صدمہ و پریشانی دور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اور اسلام و مسلمین کے مقابل قائم فاصلہ کو دور کرنے کا احساس وشعور بیدار کر لیتا ہے جب اسے پتہ چل جا تا ہے کہ مسلمان ہی حق پر ہیں اور وہ خود باطل پر ہے دلیل وبرھان ان کے پاس ہے اور وہ خود اس کے خلاف جارہا ہے اور اس کے سامنے حقیقت آشکار ہو جاتی ہے اور اسے پتہ چل جاتا ہے کہ دنیا وآخرت میں کیا چیز اسے نجات دے سکتی ہیں تو پھر اس کے سامنے یہی صریحی گفتگو اور صفات کا بیان ہی بہتر ہے اس سے کہ اس کے سامنے مدارات اور نرمی سے کام لیا جائے یا اس سے حقائق کو پوشیدہ رکھا جائے تا کہ وہ اساطیر اور فسانوں اور خرافات کا معتقد رہتے ہوئے مر جائے اور جہنم کے گڑھے میں عذاب میں مبتلا ہو جائے!

اللہ عزوجل نے ابو لہب لعنۃ اللہ علیہ کے بارے میں بجلی کی مانند آیات کو نازل فرمایا ہے وہی خبیث آدمی کہ جس نے جناب رسول خداؐ کے خلاف سازشیں کیں ان کی دعوت اسلام کو پامال کرنے کے لئے لوگوں کو بھڑکایا اور جناب رسول خداؐ کے مشن سے چھٹکارا پانے کے لئے سارے جتن کئے تو خداوند متعال نے اس کی مذمت میں فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ﴿۱﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ﴿۲﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾ (29)

(29) سورہ مسد: آیت ۱ تا ۵۔

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے نہ تو اس کا مال ہی اس کے کام آیا اور نہ اس کا کمایا ہوا سامان ہی، وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچ جائے گا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے اس کی گردن میں بٹی ہوئی ریسمان بندھی ہوئی ہے"۔

مسلمان ان آیتوں کی آج بھی تلاوت کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی واجب نمازوں میں بھی اور اس کے ہاتھوں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ کو جو اذیتیں پہنچی اور وہ جن جرائم کا مرتکب ہوا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہیں کیونکہ وہ انھیں اذیتوں اور جرائم کے باعث اپنے بارے میں اور اپنی بیہودہ بیوی کے بارے میں اس قسم کی سخت و شدید آیتوں کے نزول باعث بنا ہے۔

آیئے ذرا ہم لوگ اپنے آپ کو ابو لہب کی اولاد، پوتے اور نسل کی جگہ رکھ کر دیکھیں ہمارا شعور کیا کہے گا؟ جبکہ ہم اپنے باپ اور ماں کی توہین و رسوائی ایسی عبادی کتاب کے نص و متن میں ملاحظ کریں گے کہ جسے لوگ تا ابد تلاوت کرتے رہیں گے ہماری روح و جان میں کیا اثر پیدا ہو گا جبکہ ہم سن رہے ہوں کہ لوگ کس طرح مذمت کر رہے ہیں کہ ہم ایسے کافر و فاجر شخص اور ہلاک ہونے والے، ابدی عذاب جہنم میں مبتلا شخص اور اس کی بیوی کی اولاد ہیں؟!

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اگر ہم اس مقام پر ہوتے اور ابو لہب کی طرف منسوب ہوتے تو نا قابل برداشت تنگی کا یقینا احساس کرتے اور دکھ درد کا ہمارے ارد گرد گھیرا ہوتا اس لئے کہ یہ سورہ ہمارے والدین کے حق میں صریح اور شدید اہانت کا پیکر بنا ہوا ہے

اور انسان عادی طور پر اپنے آباء و اجداد کی اس طرح کی مذمت اور توہین کو برداشت نہیں کرتا چاہے وہ اس کے مستحق ہی کیوں نہ ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم توقع رکھتے ہیں کہ ابو لہب کا کوئی بیٹا اس قدر بجلی کی طرح کڑکی آیات و سورہ کے نزول اور اس کی بقاء کے ساتھ اسلام قبول کرے گا اس لئے کہ یہ سورہ انسان کے لئے بہت بڑی نفسیاتی رکاوٹ پیدا کرتی ہے کہ انسان ایسے دین میں داخل ہونے پر آمادہ ہو جائے کہ جو دین اس کے ماں باپ کی مذمت کا حکم دے رہا ہے پھر آخر اللہ نے ایسے سورہ کو کیوں نازل کیا اور اسے اپنی کتاب قران مجید میں ثبت کر دیا؟ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ اس طرح کی آیتں نہ اتریں تاکہ ہمارے اور ابو لہب اور اس کی نسل و اولاد کے درمیان نفسیاتی مانع پیدا نہ ہوتا اور آئندہ کے لئے دین اسلام میں داخل ہو جانا ممکن ہوتا؟!

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل حکیم ہے اور اس نے اپنی کتاب میں یقیناوقوع پزیر ہونے والی شئ بیان کی ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے سبق بن جائے کہ ابو لہب کافر، ملعون، خبیث ہے اور اسی طرح سے اس کی بیوی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والی ہے اور ان دونوں کی اولاد کو چاہئے کہ اس حقیقت کو مان لیں اگرچہ دردناک ہے مگر حقیقت ہے اور یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ ان کے جذبات کا خیال رکھا جائے چاہے دین اور حق کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے اور چاہے آنے والی نسلیں نہ جان سکیں کہ جناب رسول خدا نے ابتداء دعوت اسلام میں کتنی اذیتیں برداشت کی ہیں حتی کہ اپنے بعض رشتہ داروں سے بڑی اذیتیں سہی ہیں۔

لہذا اب اگر ابو لہب کی اولاد اسلام میں داخلے کے لئے آمادہ ہیں تو ان پر لازم ہے کہ اس حقیقت کا بھی اعتراف و اعتقاد پیدا کر لیں کہ ان کے والدین اللہ و رسولؐ سے بر سر پیکار رہنے والے تھے اور ان پر لازم ہے کہ ان دونوں سے برائت و بیزاری کا اظہار کریں اگر چہ ان کی نسل ہی سے کیوں نہ ہوں اب اگر وہ ایسا کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اور تقوی اختیار کرتے ہیں تو اسلام ان کا احترام کرے گا اورر مسلمان بھی ان کا احترام کریں گے اور ان کے اور ان کے والدین کے درمیان فرق کے قائل ہوں گے اس لئے کہ "جو ہدایت کا خواہاں ہے پس وہ اپنے لئے ہدایت کا ہے اور جو گمراہ ہو جائے تو وہ اپنے نقصان میں گمراہ ہوا ہے اور کوئی دوسرا کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" [30]۔

آج بھی ایسا ہی ہے، آج بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں کہ ابو لہب کے بعض پوتے پر پوتے اسلام لا چکے ہیں، وہ مومن ہیں باوجودیکہ ان کے ماں باپ کے سلسلہ میں سخت ترین آیتں نازل ہوئی ہیں ان میں عتبہ بن ابی لہب، معتب بن ابی لہب شامل ہیں یہ دونوں فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور جنگ حنین میں شریک ہوئے، مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو لوگ رسول خداؐ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ دونوں بھائی میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور اسلام و رسول اسلامؐ کا دفاع کرتے رہے انہیں میں سے ایک عباس بن لہب بن ابی لہب ہیں [31]۔ اور ان کے بیٹے فضل کا حضرت امیر المومنین علیؑ کی نصرت و حمایت میں مشہور قصیدہ موجود ہے جبکہ

---

(30) سورۂ اسراء: آیت ١٦۔

(31) دیکھئے ان دونوں کی سوانح حیات کتاب اصابہ ابن حجر میں رقم ٥٤٢٩ اور رقم ٨١٣٨۔

حضرت امیر المومنین علیؑ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں گہری سازش کے بعد شرعی منصب سے ہٹا دیا گیا تو فضل نے یہ اشعار کہے:

مَا كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ الأَمْرَ مُنْصَرِفٌ عَنْ هَاشِمٍ ثُمَّ مِنْهَا عَنْ أَبِي الحَسَنِ
عَنْ أَوَّلِ النَّاسِ إِيمَاناً وَسَابِقَةً وَأَعْلَمِ النَّاسِ بِالقُرْآنِ وَالسُّنَنِ
وَآخِرِ النَّاسِ عَهْداً بِالنَّبِيِّ ﷺ وَمَنْ جِبْرِيلُ عَوْنٌ لَهُ فِي الغَسْلِ وَالكَفَنِ
مَنْ فِيهِ مَا فِيهِمْ لاَ يَمْتَرُونَ بِهِ وَلَيْسَ فِي القَوْمِ مَا فِيهِ مِنَ الحَسَنِ

"میرا گمان بھی نہیں تھا کہ حکومت کی باگ ڈور بنی ہاشم سے خاص کر حضرت ابوالحسنؑ سے پھیر دی جائے گی جو قبلہ کی طرف پہلے نماز گذار ہیں قرآن و سنن کے سب سے بڑے عالم ہیں جنہوں نے رسول خدا کا آخری دیدار کیا ہے اور نبی کو غسل و کفن دینے میں جبرائیل کے مددگار تھے وہ ذات جس کے اتنے فضائل و مناقب ہیں کہ کوئی کسی قسم کا شک بھی نہیں کر سکتا اور جن کے مانند امت اسلامیہ میں نیکوکار کوئی ہے ہی نہیں" [32]۔

تو آپ دیکھ رہے ہیں نا کہ یہ لوگ کس طرح اسلام لائے اور اچھے اسلام کے مالک بنے اور ان لوگوں نے ان تمام موانع کو بالائے طاق رکھ دیا جو ان کے ماں باپ کے سلسلہ میں سخت ترین آتیوں کے اندر مذمت کی گئی تھی یہی صورت حال ہماری ان لوگوں کے ساتھ بھی ہے جو اپنی ماں عائشہ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں اگر ہماری روش اور ہمارا طرز عمل ابتدائے امر میں تھوڑا بہت نفرت اور صدمہ کا باعث بنتا بھی ہے یا نفسانی رکاوٹ پیدا کرتا ہے تو یقیناً انصاف پرور یا

(32) اسد الغابۃ ابن اثیر: ج۴، ص۴۰۔

ہدایت یافتہ لوگوں کے دل سے وہ رکاوٹ بہت جلد ختم ہو جائے گی اہم اور اولیت، حق کا بیان کرنا ہے اور حقیقت حال کو سامنے رکھنا ہے اب اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے ہمارے اوپر تو آپ پر وا جب ہے کہ اللہ عزوجل پر اعتراض کیجئے کہ اس نے سورہ ابو لہب نازل کیوں ہے؟ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟!

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ دین اسلام کسی منحرف شخصیت کی عظمت و منزلت بڑھانے کا ہرگز قائل نہیں ہے چاہئے اس کے مرید و ماننے والے کتنی بھی زیادہ تعداد میں کیوں نہ ہوں اور اسے چاہے جتنی برکت و تقدس کی چادر سے لپیٹ کیوں نہ دیا ہو یہ سارے امور کسی مسلمان کو اس کے خلاف اور اس کے ماننے والوں کے خلاف صرف حق کہنے سے مانع نہیں ہو سکتے کیونکہ معیار دنیاوی عظمت اور شخصیت نہیں ہے کہ وہ باطل کے ذریعہ کسی قوم کے نزدیک مقدس شخص بن جائے تو ان کی توہین کرنا اور اس کے عیوب بیان کرنا منع ہو جائے گا بلکہ معیار اخروی عظمت اور شخصیت ہے اگر کوئی ذات مومن ہے، اللہ کی مطیع ہے تو اس کا احترام واجب ہے چاہے دنیا میں اس کا کوئی ایک بھی ناصر و مددگار نہ ہو جیسا کہ بہت سے انبیاء الٰہی کی صورت حال رہی ہے اور ان سے خود ان کی قوم والوں نے دشمنی کی اور وہ لوگ مظلومانہ طریقہ سے قتل ہو کر جوار الٰہی میں پہنچے ہیں۔

کیا انبیاءؑ الٰہی کی روش، ہماری روش سے متصادم ہے؟!

بیشک تمام انبیاء الٰہیؑ نے جب بھی علانیہ طور پر دعوتِ اسلام دی ہے تو وہ لوگ معاشرہ میں زلزلہ پیدا ہونے کا سبب بنے ہیں اور معاشرہ کی یگانگت و وحدت بکھر کر رہ گئی ہے اور سماج میں

آپس میں پھوٹ پڑی ہے [33]۔ آپ سرسری طور پر تاریخ کا مطالعہ کرلیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہر معاشرہ میں نبی کی آمد و ظہور سے پہلے اتحاد و اتفاق تھا آپس میں بھائی چارہ تھا الفت و محبت کے رشتے قائم تھے لیکن جونہی ان کے درمیان بنی کا ظہور ہوا ان کے درمیان تفرقہ، تنازعہ اور پھوٹ پیدا ہوگئی اس قدر تفرقہ بڑھا کہ بیٹا اپنے باپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا نظر آتا ہے بھائی بھائی کے مد مقابل ڈٹ کے جنگ کے لئے کھڑا ہے [34]۔

---

(33) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ ؕ وَ اللهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "لوگ ایک ہی دین (فطرت) پر تھے، (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور ان میں اختلاف بھی ان لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس صریح نشانیاں آچکی تھیں، یہ صرف اس لیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے، پس اللہ نے اپنے اذن سے ایمان لانے والوں کو اس امر حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے"۔ سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۳۔ ہاں بیشک لوگ ایک ہی قوم و ملت تھے اور جب اللہ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا تو ان میں پھوٹ پڑ گئی؟!

(34) وَلَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ) نَقْتُلُ آبَاءَنَا وَ أَبْنَاءَنَا وَ إِخْوَانَنَا وَ أَعْمَامَنَا مَا يَزِيْدُنَا ذٰلِكَ إِلَّا إِيْمَاناً وَ تَسْلِيْماً وَ مُضِيّاً عَلَى اللَّقَمِ وَ صَبْراً عَلَى مَضَضِ الْأَلَمِ وَ جِدّاً فِي جِهَادِ الْعَدُوِّ "ہم رسول اکرم (ص) کے ساتھ اپنے خاندان کے بزرگ' بچے' بھائی اور چچاؤں کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے اور اس سے ہمارے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اضافہ ہی ہوتا تھا اور ہم برابر سیدھے راستہ پر بڑھتے ہی جارہے تھے اور مصیبتوں کی سختیوں پر صبر ہی کرتے جارہے تھے اور دشمن سے جہاد میں کوششیں ہی کرتے جارہے تھے"۔ نہج البلاغہ: خ ۵۶۔

اور یہ مسئلہ اکثر و بیشتر اس قدر آگے بڑھا ہے کہ داخلی جنگیں ہوئی ہیں اور گھریلو تنازعے پیدا ہوئے ہیں اور اس کے آثار برسوں بلکہ صدیوں پر محیط رہے ہیں۔

یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ جواب پتہ ہے کیونکہ نبی آکر اپنی دعوت کے اظہار کے ذریعہ باطل پلانوں کو فیل اور غیر واقعی عقائد و افکار اور باطل اسلوب عمل و کردار پر قلم تردید کھینچ دیتا ہے جو معاشرہ میں رائج ہوئے ہیں۔ نبی اور اس کے پیروکار درحقیقت موجوں کی روانی کے برعکس تیر رہے ہوتے ہیں اور اس طرز عمل کو قوم والے اپنے مقدسات پر حملہ اور معاشرہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے والا تصور کر رہے ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ نبی اور اس کے ماننے والے فتنہ و فساد اور تفرقہ و تنازعہ کا بیج بو رہے ہیں اور قومی ایکتا کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور قوم میں انتشار و افتراق پیدا کر رہے ہیں۔

یہ سب درست ہے! بیشک نبی اور ان کے ہمراہی وہ بے ہودہ مقدسات یعنی بتوں اور پتھروں پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہیں اور معاشرہ میں قائم باطل بنیادوں کو منہدم کرنے کی سعی و تلاش کرتے ہیں وہ سماج سے شرک و کفر، گمراہی و فساد کی بنیادوں کو منہدم کر کے لوگوں کے درمیان "**فتنہ**"[35] پیدا کر رہے ہوتے ہیں تاکہ اس طرح مومن، کافر سے جدا ہو جائیں اور معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائے ایک حق کا متوالا ہو تو دوسرا باطل کا پرستار، اور وہ اپنی اس دعوت کے ذریعہ "**قومی ایکتا**" کہلانے والی یگانگت و وحدت کو مٹا رہے ہوتے ہیں تاکہ حق کا اثبات واحقائق ہو جائے اور قومی ایکتا کی جگہ "**ایمانی ایکتا**" بروئے کار آجائے۔

(35) فتنہ بمعنی آزمائش و امتحان ہے، دیکھئے سورہ طہ: آیت ۸۶، سورۂ عنکبوت: آیت ۴، سورۂ دخان: آیت ۱۸۔

یقینا جب کوئی نبی آتا ہے اور معاشرہ کے اندر ظہور پیدا کرتا ہے تو وہ معاشرہ تقسیم ہو جاتا ہے اور اس میں تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ سالم بنیادوں پر توحید و وحدت کی بازگشت ہو اس لئے کہ جو معاشرہ کفر و فساد کی بنیادوں پر ایک ہوا ہے اسے یہ وحدت کوئی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اسے ابدی ہلاکت کی طرف رہنمائی کر رہی ہوتی ہے اگر یہ بظاہر اس کی "ایکتا" کی شکل و صورت بڑی خوبصورت اور چمکیلی نظر آتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں زیادہ واضح و آشکار موقف اختیار کریں تو آپ کو چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ذات میں موجود عظیم نمونہ پر توجہ فرمائیں اس لئے کہ جس وقت انہوں نے دعوت حق شروع کی تو انہوں نے معاشرہ میں سب سے زیادہ نفرت کی آگ بھڑکانے والا اسلوب اختیار کیا انہوں نے تو معاشرہ کی سب سے زیادہ مقدس شئ ان کے خداؤں کو ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جن کی وہ برابر پوجا کیا کرتے تھے اور ان کی عبادت میں مست رہتے تھے اور آپ لوگ ان کے شدید رد عمل سے بھی واقف ہیں کیا حضرت ابراہیمؑ کو دوسرے اسالیب دعوت کے بارے میں کم معلومات تھی یا پھر معاذاللہ وہ دوسرے اسالیب دعوت کے سلسلہ میں جاہل تھے؟ کہ انہوں نے اتنا خطرناک اور سخت اسلوبِ دعوت کو اپنا لیا؟ یقینا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ نے اس طرز عمل کو اپنانے میں بڑی حکمت سے کام لیا ہے کیونکہ بعض اوقات معاشرہ کو خرافات اور بے ہودہ مقدسات کے وہم و خیال سے نکالنے اور سماج کو بیدار کرنے کے لئے سوائے بے ہودہ مقدسات کو توڑنے پھوڑنے اور انھیں روندھنے اور پامال کرنے کے کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا اور براہ راست حملہ کر کے سماج پر بجلی گرائی جاتی ہے اور اسے خواب غفلت سے بیدار کیا

جاتا ہے ٹھیک اس طرح جس طرح کوئی مدہوش وبدمست یا بے ہوش پڑا ہو اور ہم مجبور ہوں کہ اسے بیدار کرنے اور ہوش میں لانے کے لئے ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پر رسید کریں۔

حضرت ابراہیم خلیل خداؑ بھی پہلے تدریجی روش اپنائی ستارے چاند سورج کی طرف اشارہ کر کر کے "ھذا ربی" کہہ کر نرمی کے ساتھ جھنجھوڑا اور معاشرہ کو بیدار کرنا چاہا اورانہیں متوجہ کیا کہ خدائے واحد لاشریک کے علاوہ کوئی برحق معبود نہیں ہے اور اس اسلوب عمل کے آخر میں اعلان بھی کر دیا تھا کہ "اے قوم والو! تم جن چیزوں کو خدا کا شریک قرار دیتے ہو میں ان سے بری وبیزار ہوں میں نے تو صرف خدا کی طرف رخ کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے میں شرکوں میں سے نہیں ہوں[36]۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان کے ساتھ گفتگو کی روش اپنائی اور اس امید کے ساتھ بار بار ان سے بحث کی کہ شاید وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں لیکن ان ساری کوششوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور مطلوب نتیجہ بر آمد نہیں ہوا ایسے موقع پر ضرورت تھی کہ قوم کے منہ پر "بیداری کا تھپڑ" رسید کریں چاہے وہ کتنا ہی دردناک اور سخت نفرت کا باعث کیوں نہ بنے حضرت ابراہیمؑ نے چاہا کہ انھیں واقعیت کا کھلا نظارہ دکھائیں کہ کس طرح وہ جن خداؤں کی پیروی وپوجا کرتے ہیں وہ خود کو بھی توڑ پھوڑ سے محفوظ نہیں رکھ سکتے پھر وہ کیسے قابل عبادت معبود بن سکتے ہیں؟!

اس کے لئے جناب ابراہیم علیہ السلام نے یہ سخت قدم اٹھایا اور کافر وبت پرست معاشرے میں ایمان کا بیج بونے کے لئے انہوں نے ہدف کی راہ میں خطرناک نتائج کو برداشت

---

(36) سورۂ انعام: آیت ۸۹، ۹۰۔

کرنے کی ٹھان لی پھر کیا تھا آپ کے اس شجاعانہ اقدام کے بعد بعض لوگوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور جس گمراہی پر وہ گامزن تھے اس کا احساس کیا اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت پر لبیک کہنے لگے اور ان پر ایمان لے آئے اور اللہ عزو جل نے ہمیں، انھیں بھی بزرگواروں کی اتباع و پیروی کا حکم دیا اور انہوں نے اپنی قوم والوں کے ساتھ جو روش اپنائی ہے اس کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کا حکم دیا ہے اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ دیکھیں انہوں نے کس اسلوب عمل اور دعوت حق کی روش اپنائی ہے ؟!

یہ روش یہ اسلوب یقیناً بڑی جرأت و شجاعت کا حامل اسلوب ہے جس میں دوسروں کے مقدس بنا دیئے گئے اشخاص و اشیاء کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور ان سے اعلان بیزاری و برائت کی ضرورت اور صراحت کے ساتھ ان سے دشمنی و ابدی عداوت کا اعلان کرنا پڑتا ہے جب تلک کہ وہ اپنے فاسد عقیدہ سے دوری نہ اختیار کرلیں اور اسی مطلب کو اللہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ۔

"تمہارے لئے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پیروکاروں کی ذات میں اسوۂ حسنہ ہے جب کہ انہوں نے اپنی قوم والوں سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن چیزوں کو خدا کے علاوہ تم نے معبود بنالیا ہے برائت و بیزاری کا اعلان کرتے ہیں ہم نے تم سے کفر و انکار کی روش اپنا لی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت و کینہ کا آغاز ہو چکا ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا یہاں تک کہ تم خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ"[37]۔

---

(37) سورۂ ممتحنہ: آیت ۵۔

آپ دیکھیں کہ ان لوگوں نے کتنا سخت موقف اور سخت ترین عبارت استعمال کی ہے کہتے ہیں:

"ہم تم سے تبرا کرتے ہیں" اور اسی پر اکتفاء نہیں کی بلکہ اس کے بعد اس سے بھی کہیں زیادہ سخت کلام کہہ ڈالا انہوں نے کہا "ہم تمہارے کافر ہیں" اور اس پر بھی اکتفاء نہیں کی بلکہ اس میں یہ کہہ کر اضافہ کر دیا کہ "اب ہمارے تمہارے درمیان عداوت و کینہ کا آغاز ہو گیا ہے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے" اس کے باوجود خداوند متعال ہمیں حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں اور ان کے کردار کو اپنائیں اس کا ارشاد ہے "تمہارے لئے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اتباع کرنے والوں میں اسوۂ حسنہ ہے"۔

ہاں ہاں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پیروکاروں نے باطل پر مبنی "قومی وحدت" کو توڑا ہے اور اپنے سماج سے جدا ہو گئے تھے بلکہ ان کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے اور ان کے مقدسات پر سرکشی و یلغار کر دی تھی اور انہوں نے قومی وحدت کو باقی رکھنے کے لئے ان کے درمیان اتحاد برقرار رکھنے کے لئے کسی قسم کے توافق وو اتحاد کی روش کو نہیں اپنایا۔

یہ مذہبی، قومی، اہلی اور طائفی لڑائی کی حقیقی اور واضح لڑائی ہے جس کے موجد حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اوپر ایمان لانے والی مؤمن جماعت ہے اگر وہ چپ رہ جاتے اور نظر انداز کر جاتے تو یہ سب نہ ہوتا سماج دو گروہوں میں نہ بٹتا اور ایک دوسرے سے جنگ پر نہ اترتے ایک گروہ آگ کا گڈھا کھود کر دوسرے گروہ کو ان میں جلانے پر آمادہ نہ ہوتا، کیا ہم کو حق حاصل ہے کہ ہم حضرت ابوالانبیاء خلیل خدا جناب ابراہیمؑ اور ان پر ایمان لانے والے مومنین کے عمل پر

اعتراض کریں اس دعوے کے ساتھ کہ ان بزرگواروں کو چاہیے تھا کہ معاشرے کی وحدت و یگانیت کو محفوظ رکھتے اور ان کے مقدسات کی توہین کرنے سے پرہیز کرتے؟ معاذاللہ، اس لئے کہ یہ اعتراض ہمیں دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا!

بلکہ ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اس نمونہ سے استفادہ کریں اور سمجھیں کہ معاشرہ کی وحدت کے تحفظ کے لئے کوئی بھی ایسی کوشش اسلام میں نا قابل قبول ہے کہ جس میں وحدت کی بنیاد احقاق حق سے چپ بیٹھنے اور ابطال باطل سے دوری کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اس لئے کہ اس کا نتیجہ کفر و گمراہی, فساد و انحراف کی بقا کا باعث ہو گا پھر کوئی بھی راہ خدا میں قربانیاں دینے، شیطان اور اس کے چیلوں کی راہ کو ترک کرنے کی دعوت اس لئے نہیں دے گا کو معاشرہ بکھر نہ جائے اس کی وحدت پامال نہ ہو جائے اور ان میں اتحاد کا شیرازہ بکھر نہ جائے اور اسی طرح کے تیز طرار نعرے جن کو روز سادہ لوح لوگوں کے سامنے مضحکہ خیز انداز سے لگایا جاتا ہے۔

اس کے مد مقابل لوگوں کی حق کی طرف ہدایت کے لئے انھیں باطل کی شناخت کرانے کے لئے اور جن مقدس بنا دیئے گئے اشخاص و اشیاء سے لوگوں کو دھوکہ دیا گیا ہے کی تشہیر کے لئے کی جانے والی کوشش مبارک ہے اسلام نے اس کی ترغیب دلائی ہے چاہے اس کی خاطر سماج میں مجبوراً پھوٹ پڑ جائے اور ان میں اختلاف پیدا ہو جائے اس کے برے اور بڑے نتائج کو برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ جن مفادات کو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس سے کہیں بڑا ہے اور اس کے لئے بڑی قربانی دینے کی ضرورت ہے اور اللہ نے ہمیں بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

"اور جنہیں راہ خدا میں قتل کر دیا جاتا ہے تم انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے اور ہم یقینا تمہارا بھی امتحان لیں گے کچھ خوف، بھوک، جان ومال، ثمرات میں کمی کے ذریعہ اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو"(38)۔

ہاں راہ حق منور کرنے کے لئے صفیں توڑی جاسکتی ہیں!

یہ صحیح ہے کہ لوگوں کی ہدایت کی خاطر وحدت واتحاد کی صف پارہ پارہ ہونا لازم وملزوم ہے لیکن تفرقہ ابتداء میں اور عرض میں پیدا ہوتا ہے بس، اور اس کا مقصد، سماج کو وحدت کی طرف پلٹانا ہوتا ہے اور وہ بھی صحیح وسالم اور ایمان کی بنیاد پر جس میں کسی قسم کا انحراف اور باطل کی آمیزش نہ ہو اور یہی حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاءؑ کا ہدف رہا ہے کہ سماج حق کی بنیاد پر جمع ہو باطل بنیادوں پر نہیں، اس لئے کہ باطل بنیادوں پر ایکتا میں نفع کم نقصان زیادہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نقصان ہے لہذا ابتدائی پیچ وخم والے مرحلے سے نکلنے کے بعد سماج نور حق کی روشنی میں نئے سرے سے متحد ہو جاتا ہے اور تاریخی تجربات نے اس سعی کی درستگی وصحت کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔

گزشتہ بیانات کی بنیاد پر ہم شرعی طور پر مامور اور ذمہ دار ہیں کہ دین خدا سے انحراف کرنے والوں کی ہدایت کریں ان گمراہ گروہوں سے ایک بکریوں (ابو بکر کے ماننے والوں) کا گروہ ہے جو کہ عائشہ کی محبت میں افراط وزیادتی کے باعث عملی طور سے اسے معبود سمجھ بیٹھے ہیں کہ جسے خدا کے علاوہ پوجا جاتا ہے جیسا کہ قران مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

---

(38) سورۂ بقرہ: آیت ۱۵۵، ۱۵۶۔

"کیا تم نے دیکھا کہ جس نے اپنے خواہشات نفسانی کو معبود سمجھ لیا ہے اور اللہ نے اسے علم و دانش کے باوجود گمراہ کر دیا ہے اور اسکی قوت سماعت اور عقل پر مہر لگادی ہے اور اسکی قوت بصارت پر پردہ ڈال دیا ہے پر بھلا خدا کے بعد کون اسے ہدایت دے سکتا ہے کیا وہ لوگ یاد نہیں کرتے"[39]۔

جی ہاں عائشہ ایک مقدس رمز بن گئی ہے بلکہ اسے معبود سمجھا جانے لگا ہے لہٰذا ہمیں اس کی حقیقت بیان کرنے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے وہ حقیقت جس کو دلیلیں بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک کافر، قاتل، فاسق، مجرم اور زناکار عورت ہے بلکہ اسے بھی زیادہ ہمارے اوپر وجوب ڈبل ہو جاتا ہے کہ ہم سنیوں کو بصیر بنانے کے لئے اس کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے عمل انجام دیں تاکہ وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں اور وہ جان لیں کہ اس خبیث عورت کی تعلیمات پر وہ عمل پیرا ہو کر شیطان کے دروازے پر جارہے ہیں رحمان کے دروازے پر نہیں ۔

ہمارا کام "اکھاڑ پھیکنے والا، باطل کرنے والا" ابراہیمی روش پر مبنی کام ہے اور ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ ہم پر فتنہ پیدا کرنے، امت کو پارہ پارہ کرنے کی تہمت لگائی جارہی ہے بالفرض اگر مان بھی لیں کہ ایسا ہے تو ایسا اتحاد باطل کی بنیاد پر ہے انحراف کی بنیاد پر ہے اور اس طرح کے اتحاد میں کوئی بھلائی نہیں ہے اس مقام پر ہمارا موقف حضرت ابراہیمؑ اور ان کی مؤمن جماعت کا موقف ہے پس جسے اعتراض ہے وہ پہلے ان بزرگواروں پر اعتراض کرے پھر ہمارے پاس آئے!

(39)سورۂ جاثیہ: آیت ۲۴۔

کیا اللہ نے ہمیں ان کے خداؤں کو برا کہنے سے منع نہیں کیا ہے اور کیا ائمہ طاہرینؑ نے ہمیں ان کے مقدسات کو برا کہنے سے منع نہیں کیا ہے؟

آیت کریمہ (لا تسبوا الذین...) کے ذریعہ کہ جس میں مشرکوں کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں, گمراہوں اور باطل پرستوں کے رموز و مقدسات کو ننگا کرنے کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے سعی کوشش یقینا ناکام کوشش ہے اور یہ استدلال باطل وبیہودہ ہے ۔

اس لئے کہ **اولاً** جس جس چیز سے آیت کریمہ میں روکا گیا ہے وہ گالی گلوج ہے ارشاد ہوتا ہے ":لا تسبوا" تم گالی مت دو۔

اور جو کام ہم کر رہے ہیں وہ ان لوگوں کے جرائم اور برائیوں کا بیان ہے اور علمی روش کے ساتھ ان لوگوں کی پیروی سے روکنے اور ان سے بیزاری کا اثبات مقصود ہے اور یہ کہ ان سے محبت وعقیدت رکھنا قطعا جائز نہیں ہے ۔

ادلہ کے ذریعہ ان چیزوں کا پایۂ ثبوت تک پہنچانا ہے اب اگر کوئی کہے کہ آپ لوگ کبھی کبھی صریحی طور پر ان کے اوپر لعنت کرتے ہو؟ تو ہم کہیں گے لعنت اور ہے گالی گلوج اور ہے لعنت، مشروع دعا ہے اور اللہ سے مطالبہ ہے کہ ملعون سے اپنی رحمت کو دور رکھے، جبکہ گالی گلوج ایسے الفاظ کا استعمال ہے جس میں اہانت مقصود ہوتی ہے اور رکیک الفاظ و صفات کے ذریعہ

موصوف کی مذمت و عیب جوئی کی جاتی ہے اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ لوگ بھی توخائن ،سفیہ،خبیث، پست وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہو ؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ الفاظ و اوصاف ،موصوف کے اندر پائے جاتے ہیں اور ان الفاظ کے ذریعہ نہ صرف اہانت اور شخصی عیب جوئی نہیں ہے بلکہ اولہ اور واقعات کی روشنی میں حقیقتِ حال کا بیان ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ قرآن مجید نے بیان فرمایاہے ارشاد ہوتا ہے ’’اور اگر ہم چاہتے تو اسے انھیں آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ خد زمین کی طرف جھک گیااور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کرلی تو اب اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور جھڑک دو تو بھی زبان نکالے رہے یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو اب آپ ان قصوں کو بیان کریں کہ شائدیہ غور وفکر کرنے لگیں"[40]۔

دوسرے یہ کہ آیت میں جس چیز سے منع کیا گیاہے وہ مشرکوں کے خداؤں کا برا بھلا کہناہے نہ یہ کہ اس سے تمام افراد و مصادیق مراد ہوں اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ آیت کے اندر موجود حکم عمومیت رکھتاہے تب بھی جو ہم بیان کر رہے ہیں اس سے وہ تخصصاً خارج ہے کیونکہ ہمارا عمل گالی گلوج نہیں ہے اور یہ بھی فرض کرلیں کہ ہماراکام گالی گلوج ہے تو یہ سب و شتم کہلاتاہے تب بھی ہماراکام آیت سے تخصیصاً خارج ہے کیونکہ اس سے قبل بیان کیا جاچکاہے کہ رسول خداؐکاارشادہے ’’ان پر کثرت سے سب وشتم کرو "[41]۔

---

(40)سورۂ اعراف: آیت ۱۷۷۔

(41)کافی: ج۲، ص۳۷۵۔

اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں حکم منع عمومیت رکھتا ہے کیونکہ امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ اے فرزند ابو محمود... ہمارے مخالفین نے بھی ہمارے فضائل میں حدیثیں گڑھی ہیں اور انھوں نے تین قسم کی حدیثیں جعل کی ہیں ایک میں غلو پایا جاتا ہے دوسری میں تقصیر اور تیسری قسم میں ہمارے دشمنوں کے کرتوت کا صریحی تذکرہ ہے اب اگر لوگ ہمارے سلسلے میں غلو آمیز چیزیں سنتے ہیں تو ہمارے شیعوں کو کافر کہتے ہیں اور ان کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں کہ وہ ہماری ربوبیت کے قائل ہیں اور جب تقصیر والی باتوں کو سنتے ہیں تو ہمارے سلسلے میں اس کے قائل اور معتقد ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے دشمنوں کے کرتوت اور نام بنام ان کی برائیوں کو سنتے ہیں تو ہمیں نام بنام دشنام دیتے ہیں حالانکہ خداوند متعال نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو گالیاں نہ دو کہ جو غیر خدا کو پکارتے ہیں کہ لاعلمی میں وہ بھی اللہ کو برا بھلا کہہ دیں گے [42]۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ روایت در حقیقت ائمہؑ کی طرف منسوب کی گئی یہ روایت، ان روایات میں تمیز دینے کے لئے وارد ہوتی ہے جو مخالفین کے پاس موجود ہے تاکہ ان کی طرف سے ان روایات کو اخذ نہ کیا جائے جن میں ائمہؑ کی طرف جھوٹی نسبت دی گئی ہے امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے مخالفین نے احادیث جعل کی ہے" اور یہ بات ابراہیم بن ابو محمود کے سوال کا جواب ہے انہوں نے سوال کیا تھا کہ اے فرزند رسول خداؐ ہمارے پاس فضائل امیر المؤمنینؑ اور آپ اہل بیتؑ کے فضائل پر مشتمل بہت سی روایتیں موجود ہیں جو آپ کے مخالفین کی طرف سے

(42) عیون اخبار الرضاؑ: ج ۲، ص ۲۷۲۔

روایت ہوئی ہیں اور ان جیسی روایتوں کو ہم آپ لوگوں کے پاس نہیں جانتے تو کیا انھیں صحیح مان کر معتقد ہو جائیں؟(43)

یہیں سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے وہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف منسوب وہ روایات ہیں کہ جن کے راوی مخالفین کے سلسلۂ سند سے ہیں بس اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مخالفین نے انھیں جعل کیا ہے تا کہ ائمہ علیہم السلام کا چہرہ مسخ کر سکیں اور ان کی برائی ہو! وہ چاہے غلو پر مشتمل جعلیات ہوں یا تقصیر پر یا پھر دشمنوں کے صریحی مثالب اور کرتوت پر مشتمل روایتیں ہوں لیکن جو روایات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں اور اور ثقہ راویوں، اصحابِ ائمہؑ اور شیعیان اہل بیتؑ اور احادیث ائمہ کو نقل کرنے والے معتبر راویوں سے مروی ہیں ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح ان روایات کو بھی شامل نہیں ہے جو ائمہ طاہرینؑ کی طرف منسوب نہ ہو اگرچہ مخالفین کی طرف سے اور ان کے سلسلۂ رُوات سے نقل ہوئی ہوں جیسے کہ خود ان کے خلفاء اور ائمۂ ضلال کے بارے میں مذمت کرنے والی روایتیں جو کہ ان کے خلاف حجت ہیں بنابریں روایت کریمہ یعنی حدیث امام رضاؑ سے استدلال کرتے ہوئے مطلق طور پر ان کے کرتوت اور مثالب کی حرمت کا قائل ہونا صحیح نہیں ہے بلکہ اسکا ہماری بحث سے کوئی ربط ہی نہی ہے کیونکہ ہم ان کی روایتوں کو نقل کر کے خود انھیں کے اوپر استدلال کرتے ہیں اور یہی کام خود انہوں نے کیا ہے یا پھر ہم اپنی روایات کو نقل کرتے ہیں جو ہمارے ائمہ طاہرینؑ سے روایت ہوتی ہیں۔

---

(43) عیون اخبار الرضاؑ: ج ۲، ص ۲۷۲۔

کوئی یہ نہ کہے کہ ہماری گفتگو کا محور و مرکز روایت رضویؑ کا ذیل ہے اس لئے کہ اس میں وہی ممنوعیت ہے جو آیت کے اندر وارد ہوئی ہے، کہ دشمنوں کے نام بنام کرتوت و مثالب سے نہی کی گئی ہے ؟!

ہمارا جواب یہ ہو گا کہ آپ کی بات درست نہیں ہے اور آپ کا مطلوب حاصل نہیں ہو گا کیونکہ گالی گلوج کی نفی کے حکم کو مطلق مثالب اور کرتوت کے ذکر کی طرف سرایت نہیں دیا جا سکتا جو تعلیق اور شرط روایت رضوی میں ہے بالکل وہی تعلیق و شرط آیت کریمہ میں بھی ہے اور حرمت بس اسی صورت میں ہو گی جبکہ دشمنوں کے مثالب کے ذکر سے ائمہ طاہرینؑ پر جوابی وار ہو اور انھیں معاذاللہ برا بھلا کہا جائے اور یہ بات واضح ہے کہ یہ لازم و ملزوم آج نہیں پایا جاتا اس لئے کہ آج کوئی ان میں سے ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شان میں علانیہ طور پر بدتمیزی کرنے کی جرأت نہیں رکھتا جیسا کہ ان کے اسلاف، گزشتہ دور میں کرتے تھے اور کہیں کوئی شاذو نادر ان میں سے ایسا مل بھی جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہذا اس جہت سے کوئی محذور لازم نہیں آتا، اور اس طرح آپ کو علم ہو جانا چاہیئے کہ روایت رضوی کا تعلق، واقعی و خارجی قضیہ و مصداق سے ہے یعنی اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر روایت رضوی صادر ہوئی ہے جیسا کہ آیت کریمہ کے نزول کا سبب بھی ایسا ہی تھا کیونکہ مسلمان ابتداء دعوتِ اسلام میں اگر مشرکوں کے خداؤں کو برا بھلا کہتے تو وہ لوگ بھی پلٹ کر ذات اقدس الٰہی پر جسارت کرتے لہٰذا اللہ نے اس عمل سے انھیں روک دیا لیکن جب یہ محذور ختم ہو گیا تو متعدد آیتیں ان کے خداؤں کی خدمت میں نازل ہوئیں اور مشرکوں کے دلوں پر ان کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے زیادہ مصیبت

آن پڑی اور وہ ہے فتح مکہ کے دن ان کے خداؤں کی توڑ پھوڑ اور بتوں کے چکنا چور کر دیئے جانے کی مصیبت۔

اس مطلب سے قطع نظر اگر آپ آیت کریمہ کے سبب نزول پر غور کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ آیت میں مقصد مؤمنین کو کافروں کے مقابلے میں زبر دستی کا تعصب اختیار کرنے سے روکا گیا ہے یعنی بلا وجہ اور بے مقصد کافروں کے خداؤں کو برا بھلا نہ کہیں بغیر مصلحت کے مشرکوں کے خداؤں کو برا نہ کہیں کہ پلٹ کر مسلمانوں کے خدا کو برا کہا جائے اور اس حرکت سے مؤمنین اور کافرین درمیانی تفرقہ مزید مضبوط ہو جائے اور پھر وہ اس تفرقہ کے باعث راہ ہدایت نہ پاسکیں بس اس عمل سے روکا گیا ہے لیکن علمی بحث اور ضرورت کے تحت کافروں کے خداؤں کی اہانت کی نہی وارد نہیں ہوئی ہے نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے بلکہ ان کے باطل و بیہودہ عقائد کے بطلان کو ثابت کرنے کے لئے ان کے خداؤں کی اہانت، مستحب اور مطلوبِ شرعی ہے اور یہی بات جو ہم نے یہاں کہی ہے مخالفین کے مقابلے میں بھی کہیں گے کیونکہ دونو جگہ معیار ایک ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جناب ہم نے یہ بات تسلیم کر لی لیکن ہمارے پاس خاص قسم کی نہی وارد ہوئی ہے کہ دشمنان ائمہ علیہم السلام پر سب و شتم نہ کریں اس لئے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے شیعوں کو خط لکھ کر منع کیا ہے اس خط کی عبارت یہ ہے: اور خبر دار ایسی جگہ دشمنان خدا کو سب و شتم نہ کرنا جہاں وہ تمہاری بات سن سکتے ہوں کہ پلٹ کر وہ بھی لاعلمی میں خدا کو برا بھلا کہہ دیں گے اور تمہیں پتا ہونا چاہیئے کہ مشرکوں کے سب و شتم الٰہی کے حدود کیا ہیں اور

سب و شتم الٰہی کب اور کیسے وجود میں آتا ہے؟ یاد رکھو کہ جو اولیاء الٰہی کو سب و شتم کرتا ہے وہ سب و شتم الٰہی کا مرتکب ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک ظالم اور کون ہوگا جو اللہ اور اس کے اولیاء کے لئے سب و شتم کے اسباب فراہم کرے لہٰذ ہوشیار ہوشیار! امر الٰہی کی پیروی کرو اور کوئی قوت وطاقت اللہ کی قوت وطاقت کے علاوہ نہیں ہے[44]۔

تو ہم جواب میں کہیں گے کہ پہلی بات یہ کہ ہم اس سے قبل واضح کر چکے کہ نہی کا تعلق اس صورت میں ہے کہ جہاں اولیاء الٰہی پر سب و شتم کا سبب ہے لیکن جب یہ بات نہ ہو جیسے کہ ہمارے زمانہ میں تو پھر نہی کا متعلق و مصداق ہی نہی ہے دوسری بات یہ کہ ہم دلیل و برہان کے ذریعہ ائمہ جور اور خلفاء کے کرتوت کو برملا کرتے ہیں اور یہ سب شتم نہیں ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے بلکہ ائمہؑ کے زمانہ میں ان کے اصحاب جیسے ہشام بن الحکم وغیرہ کے علمی مناظرات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے اور ائمہ طاہرینؑ نے اپنے اصحاب کے عمل، مناظرہ، بحث علمی کی تائید فرمائی ہے تیسری بات یہ ہے کہ کبھی بھی کسی روایت میں ممنوعیت کا تعلق اس کے مصداق خارجی سے ہوتا ہے اور حالات اور صورتِ مسئلہ کو مد نظر رکھا جاتا ہے وہ نہی مطلق نہیں ہوتی بلکہ حالات و مصادیق کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ بعض روایات میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ذکرِ فضائل سے بھی منع کیا گیا ہے بلکہ ان بزرگواروں کے مبارک نام لینے کی بھی مناہی وارد ہوئی ہے اور یہ سب اس دور کے لحاظ سے تھا جیسا کہ روایت عنبسہ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ

(44) کافی: ج۸، ص۷۔

السلام نے فرمایا ہے "خبر دار علیؑ، فاطمہؑ کا تذکرہ نہ کرو کہ لوگوں کے نزدیک ذکرِ علیؑ و فاطمہؑ سے زیادہ مبغوض و منفور کوئی شی ہے ہی نہیں "(45)۔

تو کیا یہ معقول ہے کہ کوئی آج ذکر علیؑ و فاطمہؑ سے باز رہے اس واسطے کے کہ نہی صادر ہوئی ہے ؟! ہر گز نہیں، اس لئے کہ نہی کا تعلق خاص وقت، خاص حالات اور شدید تقیہ کے ماحول سے تھا کہ جب ذکر علیؑ و فاطمہؑ سے مؤمن کی جان کو خطرہ یا شدید نقصان کا باعث تھا لیکن آج ہمارے دور میں جہاں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو یقیناً ان کا ذکر واجب ہے اور ان کے امر کا احیا کرنا لازم ہے۔

اسی طرح ہمارے دور میں علیؑ ہ فاطمہؑ کے دشمنوں کے کرتوت اور ان کی شرارتوں اور مثالب کے تذکرہ سے باز رہنا واجب نہیں ہے ان کی برائیوں کو برملا کرنا منع نہیں ہے لوگوں کو ان سے تبرا کرنے، ان پر لعن طعن کرنے اور سب و شتم سے روکنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس طرح سے نہی و منع موقت تھی شدید تقیہ کے دور سے متعلق تھی، اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھی اور آج علمی ترقی اور عالمی پیش رفت کے بعد وہ حالات باقی نہیں رہے زمانہ ترقی کر چکا ہے آزادیٔ بیان اور حقوقِ انسانی کے بیان کا دور دورا ہے آج مؤمن کے لئے ممکن ہے کہ برملا طور پر دشمنان الٰہی کے جرائم کھل کر بیان کرے چاہے انٹرنیٹ جیسے عالمی ذرائع کے ذریعہ بغیر اس کے کہ کوئی معمولی خطرہ سے دوچار ہو۔

---

(45) کافی: ج۸، ص۵۹۔

آج ہمیں انقلاب کی آگ بھڑکا دینا چاہیئے ہمیں چاہیئے کہ لوگوں کو باطل کے خلاف پوری طاقت و قوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کریں ائمہ طاہرینؑ نے ہمیں ایسی ہی تربیت دی ہے اور یہ عمل اللہ کی بارگاہ میں نہایت قابل قبول عمل ہے.

ائمہ طاہرینؑ نے ہمیں کس طرح مخالفین کے رموز اور مقدسات کی توہین کرنے کی تربیت دی ہے؟

اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ائمہ طاہرینؑ نے کس طرح اپنے شیعوں کو ائمہ ٔضلال جیسے ابو بکر، عمر، عثمان لعنت اللہ علیھم کی فضیحت و اہانت اور انھیں رسوا کرنے کی تربیت دی ہے تو آپ اس روایت شریفہ میں غور و فکر کریں کہ جو ہمیں بتلاتی ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے کیا کیا ہے، محبین و موالین اہل بیتؑ کی ایک جماعت حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر تھی کہ انہوں نے عرض کیا، اے فرزند رسولؐ... ہمارے ناصبی پڑوسی ہمیں اذیت دیتے ہیں اور ہمارے سامنے حضرت امیر المومنینؑ پر ابو بکر، عمر، عثمان کی برتری و فضیلت پر احتجاج کرتے رہتے ہیں اور وہ ایسی باتیں اور دلیلیں لاتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم ہم کس طرح جواب دیں اور اس مصیبت سے کیسے باہر نکلیں؟!

امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: میں کسی ایسے شخص کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں جو تمہاری طرف سے انھیں لاجواب کر دے گا اور اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا پھر امامؑ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک شخص کو طلب کیا اور اس سے فرمایا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جب وہ جمع ہوں اور باتیں کریں تو ان کی باتوں کو دھیان سے سنو اور جب وہ تم سے کہیں کہ تمہارے پاس کیا جواب

ہے تو گفتگو کرنا شروع کرو اور ان کے متکلم کو لاجواب کر دو اس کی عزت پامال کر دو اس کی تلوار گو ٹھی کر دو اور اس کی کوئی عزت باقی نہ رکھو۔

وہ شخص چلا اور ان کی بزم میں حاضر ہوا اور اس نے ان کے متکلم سے گفتگو شروع کی تو اسے لاجواب کر دیا اور اسے ایسا پریشان کر دیا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آسمان میں گم ہو گیا ہے یا زمین پر باقی ہے مؤمنین کا بیان ہے کہ ہم اس قدر خوش و خرم ہوئے کہ اس کی انتہا بس خدا جانتا ہے اور مد مقابل اس شخص کو اور اس کی جماعت کو اس قدر رنج و غم اور حزن و ملال ہوا کہ جتنا ہمیں خوشی حاصل تھی۔

جب ہم امام عسکریؑ کے پاس واپس ہوے تو امامؑ نے فرمایا: "اس دشمنِ خدا کی رسوائی سے آسمانوں پر جتنی خوشی و مسرت فرح و انبساط ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو تمہارے لوگوں میں خوشی و مسرت کی لہر پیدا ہوئی ہے اور اس شخص کی رسوائی سے جس قدر رنج و غم اور بلا و مصیبت میں شیطان اور اس کے سرکش چیلے مبتلا ہوئے ہیں وہ اس رنج و غم سے کہیں زیادہ ہے جو مخالفین کو پہنچا ہے اور اس بندۂ خدا پر کہ جس نے اس ملعون کو رسوا کیا ہے اور اس کی شان و عزت پامال کی ہے آسمان کے ملائکہ حجابات اور کرسی نے درود بھیجا ہے اور اللہ نے اس کی سعی کو قبول فرمایا ہے اس کی واپسی کو مکرم اور اس کے ثواب کو معظم بنایا ہے اور ان ملائکہ نے اس ملعون او دشمن خدا او شکست خوردہ شخص پر لعنت کی ہے اور اللہ نے ان کی لعنت کو قبول فرمایا ہے اس کا حساب بڑا شدید ہو گا اور عذاب بڑا طولانی[46]۔

---

(46) تفسیر امام حسن عسکریؑ: ص ۳۵۳، احتجاج طبرسی: ج ۱، ص ۱۲۔

پانچواں مقدمہ

بھڑکانے اور ہیجان بڑھانے کا مقصد، گمنامی کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے

یہ بات بہت سے مسلمانوں کی فکر و نظر سے او جھل ہے کے جناب رسول خداؐ نے جب دعوت اسلام اور توحید کا اعلان کیا تو آپ کی قوم والوں کی طرف سے کوئی ٹکراؤ یا لڑائی نہیں ہوئی اور ابتدائے امر میں انہوں نے جدی طور پر کوئی چڑھائی نہیں کی اور یہ ٹکراؤ اور لڑائیاں اور سخت رد عمل اس وقت شروع ہوا ہے جب جناب رسول خداؐ نے ہیجانی بڑھانے والے قدم اٹھائے ہیں۔

وہ قدم، دعوت اسلام کا لہجہ تبدیل ہو کر طرف مقابل کے رموز و مقدسات پر تجاوز کی جہت میں بڑھتا ہوا قدم تھا اس لئے کہ آغاز میں جناب رسول خداؐ نے اتنا اعلان فرمایا کہ وہ ایک نئے دین کے مالک ہیں جس کا نام اسلام ہے اس کے ساتھ انہوں نے اسلام کی بعض بنیادی باتیں اور ارکان اسلام جیسے توحید و معاد بیان کئے اور واضح کیا کہ اگر وہ لوگ اس دین پر ایمان لے آئیں اور اس کے آئین کو عملی زندگی میں تطبیق کریں تو انسانوں کے لئے اس میں بڑی بھلائی ہے لیکن یہ خطاب اپنی محدود روشنی و محدود ضیا پاشیوں کے ساتھ مقصد کو پورا کرنے میں کافی نہیں تھا مقصد تھا کفر و ضلالت کو محو کر کے اس کی جگہ اسلام کو پا برجا کرنا لہٰذا قریش نے ابتداء دعوت میں نبی کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جو ہر مدعی خبر آسمانی کے ساتھ روا رکھتے تھے اس لئے کہ ان کی دعوت میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو ان کو ناگوار گزرتی یا ان کے درمیان رائج مراسم و رسومات کو بگاڑتی یا ان کے مصالح و مفادات سے ٹکراتی یہی وجہ ہے کہ قریشیوں نے دعوت محمدیہؐ کا مقابلہ لاابالی گری

اور لاپروائی سے کیا گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے "ہمارے لئے ہمارے خدا ہیں اور محمد کے لئے محمد کا خدا ہے" اور ان کی اسی لاپروائی اور لا ابالی گری کے باعث دعوت اسلام میں ترقی نہیں ہو پائی اور مطلوب سطح تک رشد و نمو پیدا نہیں ہوئی۔

پھر کیا تھا جناب محمد مصطفیؐ نے خطاب کا لہجہ بدل دیا اور قوم والوں کے ساتھ لین دین اور میل جول کے اصول و قواعد کو تبدیل کر دیا اس لئے کہ نبی کریمؐ نے چاہا تھا کہ قریش کو مقابلہ و ٹکراؤ پر ابھاریں کیونکہ لاپرواہی اور لا ابالی گری کی سیاست جسے قریشیوں نے اپنا رکھا تھا اس جدید دعوت کے گمنام اور ناپید ہونے کا سبب بن رہی تھی اور ٹکراؤ ہی سماج کو بیدار کرنے کی فرصت عطا کر رہا تھا کیونکہ سماج کے لوگ جب دو طرف کے ٹکرانے والوں کی باتوں کو سنتے اور سمجھتے ہیں تو انھیں پتہ چل جاتا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ اسی طرح ٹکراؤ سے گونج پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ کے ہر فرد تک جدید دعوت کا تذکرہ پہنچتا ہے اور اس طرح دعوت زندہ باقی رہتی ہے اور اس کا ذکر مٹنے نہیں پاتا بلکہ یہی ٹکراؤ آئندہ اس کی نصرت کا باعث بنتا ہے کیونکہ بہر حال دعوت میں ذاتی قوت کے عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔

رسول خداؐ نے تمام تر شجاعت و جرأت کے ساتھ اس ہیجانی بھرے قدم کو اٹھایا اور اپنی قوم والوں کو ان کے مقدس ترین رموز و مقدسات کو نشانہ بنایا ان کے خداؤں کی عیب جوئی فرمائی اور ان کا خوب مذاق اڑایا ان کے عقائد کو سفیہانہ قرار دیا اور ان پر طعن و تشنیع کی اور جب آپ نے اس روش کو اپنایا تو آپ کی قوم والے اسے برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے رسول خداؐ کی سرزنش کرنا شروع کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے دینی رموز اور مقدسات کی اہانت سے باز

رہیں لیکن رسول خداؐ نے قبول نہیں فرمایا ان لوگوں نے رسول خداؐ سے اس مسئلے میں سمجھوتا کرنا چاہا آپ نے ٹھکرا دیا اور پھر انہوں نے رسول خداؐ کو دھمکیاں دے ڈالیں پھر بھی آپ نے قبول نہیں فرمایا اور پھر ان لوگوں نے آپ کے خلاف بھیانک جنگ چھیڑ دی۔

ہم بطور نمونہ تاریخ کی ایک شکل آپ کے سامنے رکھتے ہیں مورخ طبری نے مشہور تاریخ نگار محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے: "جناب رسول خداؐ نے خدا کے حکم سے دعوت کو علنی فرمایا اور آپ کی قوم والے اسلام لانے لگے جب دعوت علنی فرمائی تو ان کی قوم والوں نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور جہاں تک مجھے خبر ہے انہوں نے رسول خداؐ کی کوئی خاص تردید یا جوابی کاروائی نہیں کی یہاں تک کہ رسول خداؐ نے ان کے خداؤں کی مزمت شروع کر دی اور ان کی عیب جوئی کرنے لگے اور جب رسول خداؐ نے ایسا کیا تو وہ لوگ بھڑک اٹھے اور ان لوگوں نے آپ کے خلاف اجماع کر لیا اور آپ کی دشمنی پر اتر آئے[47]۔

دوسری روایت اس طرح ہے جب قریش نے دیکھا کہ رسول خداؐ کسی چیز سے باز نہیں آ رہے ہیں اور ان کے خداؤں کی بے عزتی کرتے جا رہے ہیں تو ان لوگوں نے شدت سے آپ کی مخالفت شروع کر دی اور انھوں نے دیکھا کہ ابو طالبؑ ان کی حمایت کر رہے ہیں اور ان کے دفاع میں کھڑے ہو گئے ہیں اور ان کو ہمارے حوالہ نہیں کر رہے ہیں تو قریشیوں کے بزرگوں کا ایک جھنڈ ابو طالبؑ کے پاس آ کر کہنے لگا: اے ابو طالب تمھارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے دین و ایمان کی عیب جوئی کرتا ہے ہمارے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیتا اس

---

(47) تاریخ طبری: ج۳، ص ۶۴۔

نے ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیا ہے لہٰذا آپ یا تو اسے ہماری طرف سے باز رکھیں یا پھر ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں... لیکن رسول خداؐ اپنی روش پر قائم رہے دین خدا کا اعلان و اظہار کرتے رہے اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے رہے۔ یہ صورت حال رسول خداؐ اور قریشیوں کے درمیان باقی رہی لوگ آپ سے بغض و کینہ رکھنے لگے اور قریشیوں کی بزم میں رسول خداؐ کا ہی تذکرہ رہتا اور وہ لوگ آپ کو بہت کوستے اور ایک دوسرے کو آپ کے خلاف بھڑکاتے تھے پھر وہ لوگ ایک بار پھر جناب ابوطالبؑ کے پاس پہنچے اور بولے کہ اے ابوطالب ! آپ ہمارے درمیان بڑے محترم، معظم، سن رسیدہ اور بزرگوار ہیں ہم نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے اس کو نہیں روکا بخدا ہم لوگ اس صورت حال پر صبر نہیں کریں گے کہ وہ ہمارے آباءواجداد کو بے وقوف کہتا پھرے ہمارے بزرگوں کو سب و شتم کرے وہ ہمارے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیتا وہ ہمارے خداؤں کی عیب جوئی کرتا ہے یا تو آپ اسے روکیں ورنہ پھر آپ بھی اس کے ساتھ ہم سے لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک فریق ہلاک ہو جائے... پھر قریش کی ایک جماعت نے اجتماع کیا... بعض نے دوسرے بعض سے کہا کہ ہم لوگ ابوطالب کے پاس چل کر اس کے بارے میں بات کرتے ہیں وہ ہمیں انصاف دلائیں گے اور محمد کو حکم دیں گے کہ وہ ہمارے خداؤں پر سب و شتم کرنے سے باز رہے اور ہم بھی اس کو اس کے خدا کے ساتھ چھوڑ دیں گے وہ اس کی عبادت کرتا رہے... جب وہ لوگ حضرت ابوطالبؑ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے کہ اے ابوطالب ! آپ ہمارے بڑے بزرگ ہیں ہمارے سید و سردار ہیں آپ ہمیں اپنے بھتیجے سے انصاف دلائیں

آپ اسے حکم دیں کہ ہمارے خداؤں کو سب و شتم کرنے سے باز رہے اور ہم بھی اس کو اس کے خدا کے ساتھ چھوڑ دیں گے[48]۔

گفتگو کرنے والوں میں تین قسم کے وفد کو تمام تر گفتگو کے بعد بھی کچھ حاصل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ رسول خداؐ نے صریحی طور پر اور سختی کے ساتھ انکار کر دیا اور قطعی طور پر ان کے خداؤں کے سلسلے میں چپ رہنے سے انکار کر دیا آپ نے اپنے چچا جناب ابو طالبؑ سے وہ مشہور جملہ ارشاد فرمایا "اے چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ ہمارے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اس عمل کو ترک نہیں کروں گا یہاں تک کہ خداوند متعال دین اسلام کو غلبہ عطا کر دے یا میں اسی راہ میں شہید ہو جاؤں[49]"۔ قریش کے سرداروں کے پاس اس کا جواب سوائے اس کے نہ تھا کہ وہ بھڑک اٹھے اور غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولے "بخدا ہم لوگ بھی تمہیں اور تمہارے اس خدا کو گالیاں دیں گے جو تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے[50]۔

بھڑکاؤ امور کے نتائج و خطرات کا استقبال ہے

اس کے باوجود کہ نبی کریمؐ کی جان کو خطرہ لاحق تھا پھر بھی آپ نے اس قدر سخت موقف اختیار فرمایا اور واضح سی بات ہے نبی کریم کا ان کے مقدسات کو برا بھلا کہنا اور جان بوجھ کر

---

(48) تاریخ طبری: ج۳، ص ٦٥ ۔

(49) سیرت ابن کثیر: ج۱، ص ۴۷۴۔

(50) سیرت ابن کثیر: ج۱، ص٦٦۔

ان کی توہین کرنا اور ہیجانی کیفیت کو بڑھانا پیغمبر خداؐ کے قتل کا باعث بن سکتا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ اس ماجرا کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں "جناب رسول خداؐ قریش کو دعوت دیکر اذیت پہنچارہے تھے ایک روز آپ کھڑے ہوگئے اور ان کو بے عقل کہنا شروع کر دیا ان کے دین کی عیب جوئی فرمائی ان کے بتوں پر سب و شتم کیا اور ان کے آباء واجداد کو گمراہ بتایا اس کی وجہ سے وہ شدید غم و غصہ میں پڑ گئے ابو جہل نے کہا: خدا کی قسم! ہمارے لئے موت بہتر ہے ایسی زندگی سے، اے معاشر قریش کیا تم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو محمد کو قتل کر دے اور بدلہ میں اسے قتل کر دیا جائے؟ ان لوگوں نے جواب دیا نہیں تو ابو جہل نے کہا تو پھر میں اس کو قتل کر دوں گا اس کے بعد بنی عبد المطلب اس کے بدلہ میں چاھے مجھے قتل کر دیں گے یا چھوڑ دیں، قریشیوں نے کہا اگر تم نے ایسا کر دیا تو تمام اہل وادی کے حق میں احسان ہوگا اور ہمیشہ تم کو یاد کیا جائے گا[(51)]"

طبیعی بات ہے کہ پیغمبر خداؐ کا یہ جرأت مندانہ اقدام اہل مکہ کے درمیان داخلی جنگ کی آگ بھڑکا رہا تھا ان میں آپس میں نفرت و کینہ اور نتیجہ میں ایسی داخلی جنگ کہ جس سے سب کچل جائے اور ایسا ہی ہوا جنگ بدر اور جنگ خندق وغیرہ میں خوب خون بہے۔

کفار قریش کی نظر میں جو کام جناب رسول خداؐ انجام دے رہے تھے وہ ان کے مقدمات اور رموز پر سب و شتم اور گالی گلوچ تھا قوم کی موروثی رسم و رواج کا پامال کرنا تھا اور ان کے درمیان قائم سماجی نظام کا انہدام تھا اور معاشرہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا تھا اور فتنہ کی آگ بھڑکانا

---

(51) احتجاج طبرسی: ج۱، ص ۳۲۴۔

تھا کفار قریش کی منطق میں یہ بھی تھا کہ ان لوگوں نے محمد کے سامنے جو پیش کش رکھی ہے وہ بڑی عادلانہ اور انصاف پر مبنی ہے اس لئے کہ وہ پیغمبر خداؐ کی سرزنش کرتے ہوئے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو اور وہ بھی تمہارے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے بلکہ تم آزاد ہو جس طرح چاہو اپنے خدا کی طرف دعوت دیتے رہو۔ لیکن تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دوسروں کے خداؤں کو برا بھلا کہو یا ان کے عقائد کو سفیہانہ اور ان کے مقدسات کی توہین کرو !۔

باطل کی سرکوبی کئے بغیر حق کی عمارت کھڑی ہی نہیں ہو سکتی۔

ہاں محمدی معیار کی روشنی میں دیکھنا ہے تو یاد رکھیں کہ جناب رسول خداؐ نے صرف سب و شتم سے کام نہیں لیا ہے بلکہ دلیل و برہان کے ذریعہ ان کے باطل رسم و رواج اور بیہودہ مقدسات پر خوب تنقید کی ہے۔ محمدی منطق میں یہ بھی ہے کہ ان کے خرافاتی خداؤں پر طعن و تشنیع سے اگر باز رہا جائے تو اس کا انجام ملاء عام اور عوام الناس میں خرافاتی خداؤں کے وجود کی تثبیت کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا اور یہ عقیدۂ توحید کی تثبیت کے سراسر خلاف ہے اس لئے کہ عقیدہ توحید، عقیدہ شرک کے ابطال، اور اس کی پامالی کے بغیر قائم و پائیدار نہیں ہو سکتا ہے اسی لئے جناب رسول خداؐ نے جو پہلا نعرہ لگایا وہ لا الہ الا اللہ تھا جس کے دو عنصر ہیں ایک عنصر ,,لا الہ,, ہے جو اللہ کے علاوہ تمام خداؤں کی سرکوبی اور ان سے برائت کا اعلان ہے اور دوسرا عنصر ,,الا اللہ,, ہے جو وحدانیت الٰہی کی تاسیس اور اس کی ولایت کا اقرار ہے۔

اسی لئے جناب رسول خداؐ قریشیوں کی تجویز کو کہ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ آپ صرف اپنے خدا کی طرف دعوت دیجئے اور مشرکوں کے خداؤں کو چھوڑ دیں ان کے بے ہودہ مقدسات کو ان کے حال پر چھوڑ دیں رسول خداؐ نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا کیونکہ جناب رسول خداؐ کی اپنے خدا کی طرف دعوت در حقیقت مشرکوں کے خداؤں کی تسقیط اور ان کے بے ہودہ تقدس کو پامال کرنے پر مبنی تھی۔

اگر آپ اس قضیہ کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں تو یہ بھی جان لیں کہ جس روش کو ہم نے اپنایا ہے اور جس منطق کو ہم لیکر چل رہے ہیں وہ نبوی منطق اور محمدی روش ہے جبکہ ہم سے اختلاف کرنے والوں کی روش و منطق کفار قریش کی منطق و روش ہے ہم سے اختلاف رکھنے والے لوگ ہم سے انھیں ابتدائی ایام سے کہ جب سے ہم نے دعوت ایمان دینا شروع کیا ہے کہتے رہے اور اب بھی کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے ائمہ طاہرینؑ کی طرف دعوت دو ان کے دین و مذہب کی نشر و اشاعت کرو ان کی تعریف و تمجید کرو اس کی شرعی تعلیمات کو بیان کرو ان کے فضائل مناقب بیان کرو لیکن اپنے مخالفین کے مقدس رموز و اشخاص پر تجاوز کرو تو یہ تمہیں حق حاصل نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہ حضرات محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور سائر ائمہؑ کا ذکر کرو لوگوں کو ان کی سیرت ان کی تاریخ ان کے اقوال ان کے فضائل و مناقب ان کی شجاعت ان کی قربانیاں وغیرہ کی یاد دہانی کراؤ لیکن تمہیں ابو بکر، عمر، عثمان، عائشہ، حفصہ اور تمام صحابہ سے

کوئی سر وکار نہیں ہونا چاہئیے ان کی عیب جوئی نہ کرو ان کو مجرم قرار نہ دو ان کو رسوا نہ کرو ان کے مثالب و معائب اور نقائص کا تذکرہ نہ کرو!

ہم نے اس پیش کش کو سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا اور صریحی طور پر انکار کر دیا ہے اس لئے کہ ہمارے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے ائمہ حق حضرات معصومینؑ کی طرف دعوت دیں سوائے اس کے کہ ان کے باطل ائمہ اور ان کے کرتوت کو بھی برملا کریں یاد رہے کہ ولایت اہل بیت طاہرینؑ کی تاسیس و تثبیت ان کے قاتلوں اور دشمنوں سے تبراء و بیزاری کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اور یہ بات خود جناب رسول خداؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کو مخاطب کرکے واضح کر دی ہے آپ نے مولا سے فرمایا: اے علی! تمہاری ولایت کو قبول ہی نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ تمہارے دشمنوں اور تمہاری اولاد میں ہونے والے اماموں کے دشمنوں سے برائت نہ کی جائے[(52)]۔

حضرت امام باقرؑ اپنے جد بزرگوار امیر المومنین علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اہل بیتؑ کی محبت اور ہمارے دشمن کی محبت کسی انسان کے شکم (دل) میں جمع نہیں ہو سکتی، اللہ عزوجل نے کسی آدمی کے شکم میں دو دل قرار نہیں دیئے ہیں کہ ایک سے محبت کرے اور دوسرے سے دشمنی کرے ہمارا محب ہم سے خالص محبت کرتا ہے جس طرح آگ سے سونا خالص ہو جاتا ہے اور پھر اس میں کوئی کثافت باقی نہیں رہ جاتی ہے لہٰذا جو شخص ہماری محبت کا اندازہ کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے دل کا امتحان لے اگر اس کی ہم سے محبت میں ہمارے دشمن کی محبت

(52) کنز الفوائد کراجکی: ص ۱۸۵۔

بھی شریک ہے تو پھر وہ ہم سے نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس سے ہیں بلکہ اللہ اس کا دشمن ہے جبرئیل و میکائیل دشمن ہیں اور اللہ کافروں کا دشمن ہے(53)۔

ایک دلچسپ موقف پر توجہ دیں: ایک شخص حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں آکر کہنے لگا: میں آپ کی ولایت کا قائل ہوں اور ابو بکر و عمر کی بھی ولایت کا قائل ہوں تو امام علیؑ نے اس سے فرمایا: تم آج ایک آنکھ کے اندھے (کانے) ہو دیکھو کل پورے اندھے ہو جاتے ہو یا پھر دونوں آنکھ کے بصیر بن جاتے ہو(54)۔

پس اسلام میں دوغلاپن نہیں ہے کہ اللہ پر بھی ایمان ہو اور مثلاً ھبل، لات اور عزی پر بھی ایمان محفوظ رہے یا تو لات و ھبل و عزی کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لاؤ ورنہ یہ بھی نہیں! اسی طرح اسلام میں دوغلاپن نہیں ہے کہ ایک انسان محمدؐ کی ولایت کا قائل ہو اور ساتھ ہی مسیلمہ کذاب کی بھی ولایت پر باقی رہے یا تو مسیلمہ کذاب سے تبراء کر کے حضرت رسول خداؐ کی ولایت کے مقر ہو جاؤ ورنہ یہ بھی نہیں! اسی طرح اسلام میں دوغلاپن نہیں ہے کہ ایک انسان حضرت علیؑ کو بھی امام تسلیم کرے اور ساتھ ہی ابو بکر، عمر، عثمان کی بھی امامت کا قائل رہے یا تو ابو بکر، عمر، عثمان سے تبراء کر کے امام علیؑ اور ان کی اولاد میں ائمہ طاہرینؑ کے پیروکار بن جاؤ ورنہ یہ بھی نہیں! اسلام میں دوغلاپن نہیں ہے کہ ایک انسان حضرت فاطمہ زہراؑ سے بھی محبت کرے اور ساتھ ہی عائشہ علیہا اللعنۃ سے بھی محبت کا دم بھرے یا تو عائشہ سے بغض و کینہ رکھ کر حضرت فاطمہ

(53) تفسیر قمی: ج ۲، ص ۱۷۱۔

(54) صراط مستقیم بیاضی عاملی: ج ۳، ص ۴۷۔

زہراؑ کا پکا محب بن جائے ورنہ وہ بھی نہیں! یہی صورت حال ہے کیونکہ دو نقیض کبھی آپس میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہی وہ وہ روش اور اسلوب ہے جسے ہم نے ابتداء سے ہی اپنا رکھا ہے اور ہم اس روش پر مصر ہیں ہمیں چاہے جتنا ڈرایا دھمکایا جائے یا لالچ دیا جائے صاف لفظوں میں ہمارا اعلان ہے کہ یہ رسول خداؐ کی روش ہے اور ہم نے اسی روش کی جان بوجھ کر عادت بنالی ہے جس طرح انھوں نے عمدا ایسی روش اپنائی تھی ہم اپنے لہجہ کو بھڑکاؤ رکھیں گے باطل کے رموز و اعلام و ائمہ ضلال کو ننگا کر کے چھوڑیں گے اور یہ سب کام ہم دلیل و برہان کے ساتھ انجام دیں گے ہم کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے کہ نرمی سے کام لیکر صرف اہل بیت طاہرینؑ کے فضائل و مناقب کے بیان پر اکتفاء کریں اور ان کے دشمنوں کے کرتوت، مثالب اور جرائم کو بیان نہ کریں کیونکہ ہم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ سنیوں کو دھوکہ دینے میں انہیں خبثاء و ائمہ ضلال کی قداست اور خواہمخواہ کی پاکیزگی کے اثبات کا بہت بڑا حصہ ہے اسی طرح تیزی کے ساتھ پھیل رہی شیعیت کی راہ میں روڑے اسی نرمی کی روش نے اٹکائے ہیں اور اب شیعیت کا پھیلاؤ کند ہو گیا ہے سنی سوال کرتے ہیں کہ شیعہ ان کے خلفاء اور صحابہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں انھیں صاف شفاف اور صریحی حواب چاہئیے اور میں لیپا پوتی سے اوب چکا ہوں۔

نہایت افسوس کہ تشیع کے نام سے آج بہت سے خطباء اور ناطقین، سنیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے جال میں پھنس گئے ہیں میری مراد صرف ائمہ طاھرینؑ کے فضائل و مناقب کا بیان اور ان کے دشمنوں سے سکوت اختیاز کرنے سے ہے آج دائرہ تشیع میں ایسے لوگ

پیدا ہو گئے ہیں جو اس روش کے مدد گار بن گئے ہیں اور اس حد تک کہ گویا یہ ایک بنیادی شرعی قانون بن گیا ہے اکثر خطباء مبلغین اور مزدور قسم کے لوگوں نے اسی سلیقہ و روش کو اپنا لیا ہے آپ ان لوگوں کی زبانوں پر دن رات اھل بیت طاھرینؑ کے فضائل و مناقب سنیں گے لیکن جو نہی ان کے دشمنوں کے کرتوت، جرائم، مثالب اور برائیوں کی بات آتی ہے ان کی زبانوں میں عقدہ پیدا ہو جاتا ہے اور ایک لفظ بھی نہیں بولتے جبکہ اسلام میں ولایت و برائت، تولی اور تبرا دونوں ہے کسی ایک کو لیکر دوسرے کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

اس روش کا برا نتیجہ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نکلنا شروع ہو گیا ہے بعض شیعہ نوجوانوں کے ذہنوں میں عقیدتی شکوک و شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں حد یہ ہے کہ ان میں سے بعض یہی نہیں جانتے کہ ابو بکر و عمر و عائشہ سے دشمنی کی وجہ کیا ہے کیونکہ کوئی بھی منبروں پر نہیں بولتا حقیقت امر سے آگاہ نہیں کرتا اور صراحت سے ان کے جرائم کا تذکرہ نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسا ہو بھی تو علنی طور پر تذکرہ نہیں کرتا کہ کثیر تعداد اور جمہور و عوام تک اس کی بات پہنچے بیان کرتا بھی ہے تو مخفیانہ طور پر جو چند لوگوں تک پہنچتا ہے اور وہ اسی میں اپنے آپ کو خدا کے نزدیک بری الذمہ سمجھتا ہے۔

اس سے بھی بدتر صورت حال یہ ہے کہ بعض منحرف لوگ جو کہ شیعہ شمار ہوتے ہیں مگر ان کی سرکشی و طغیانی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ صریحی اسلامی عقیدہ میں اور بکری و عمری عقیدہ میں امتزاج اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہایت خبیث عمل انہوں نے شروع کر

دیا ہے جس سے ہم (بتریہ فرقہ[55]) کے نئے سرے سے وجود میں آنے کے آثار ملاحظہ کر رہے ہیں یہ لوگ سارے امکانات رکھنے کے باوجود شیطانی سعی و کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور تشیع کی طہارت و قداست کو اندر سے فاسد کرنے کے درپے ہیں کیونکہ ان کے سنی آقاؤں اور سنی حکومتوں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ باہر سے تشیع پر حملہ کرکے تشیع کا خاتمہ ممکن نہیں ہے لہذا انہوں نے اپنے مزدوروں کو خوب مالامال کرکے اندر سے شیعیت کو فنا کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی ولایت اہل بیت طاہرینؑ کے نام سے۔

---

(55)"بتریہ "شیعوں سے جدا ہونے والا وہ گروہ ہے جو حضرت امام محمد باقرؑ کے زمانے میں ولایت امیر المومنینؑ اور ولایت ابو بکر و عمر علیہما اللعنۃ کو مخلوط کرتا تھا ان لوگوں کا کہنا تھا کہ امامت اگرچہ حضرت امیر المومنینؑ پر نص تھی لیکن ابو بکر و عمر نے اس منصب کو حضرت علیؑ سے چھین کر اجتہادی غلطی کی ہے اور اجتہادی غلطی کے باعث ان دونوں کو کافر یا فاسق نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ائمہ طاہرینؑ نے ان لوگوں کی تردید اور سخت مذمت کی اور ان کے ضال و گمراہ ہونے کا دستور صادر فرمایا نتیجہ میں یہ لوگ منقرض اور فنا ہو گئے اور ان منحرف گروہ کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا لیکن آج شیعوں میں شمار ہونے والے بعض منحرف لوگ انہیں کی آراء و نظریات کی تکرار کر رہے ہیں اور سلوک و عمل میں انھیں کے خرافات اور نظریات کی تطبیق کر رہے ہیں اس لئے یہ لوگ " جدید بتری "ہیں جن کو شجاعانہ اقدام کے ذریعہ امتِ تشیع سے جدا کرنا اور انھیں شیعوں سے دور رکھنا واجب ہے ٹھیک اسی طرح سے جس طرح پہلے زمانہ کے شیعوں نے ان کے اسلاف کو جدا کر دیا تھا اور وہ لوگ فنا ہو گئے تھے اس لئے کہ ایسے لوگوں کا امتِ تشیع کے پیکر میں وجود انھیں شیعہ ثابت کر رہا ہے اور یہ لوگ پیکر تشیع میں کینسر کے پھوڑے کے مانند ہیں جو جسم کو اندر سے فاسد کرتا رہتا ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ " جدید بتری گروہ "کی نشو و نما کے آثار ادھر ادھر نظر آنے لگے ہیں اور اہل بیتؑ سے مروی روایات میں وارد ہوا ہے کہ " بتریہ گروہ " نئے سرے سے ایک بار پھر وجود میں آئے گا اور حضرت قائم آل محمدؑ سے ٹکرائے گا جن کی تعداد صرف کوفہ سے ۱۶ / ہزار مسلح افراد بتلائی گئی ہے اور وہ لوگ امام مہدیؑ سے کہیں گے: اے فرزند فاطمہ، آپ واپس چلے جائیں ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ طبری امامی نے اپنی کتاب دلائل الامامۃ صفحہ ۴۵۵ پر حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے۔

شریعت نے ہمارے اوپر واجب کر دیا ہے کہ ان لوگوں کا پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کریں اور یہ کام ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ اصلی تشیع کی روح کو نئے سرے سے زندہ کیا جائے اور شیعیت کی بنیادوں کو پائیدار کیا جائے اور اس کے ارکان کو تقویت پہنچائی جائے اور روح ولایت مطلقہ کو فرزندان تشیع کی روح و جان میں پھونک دیا جائے۔

لیکن ہمارے غیر جو کہ غافل ہیں اور کچھ نہیں، ان کے سلسلہ میں ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اس زمانہ کی کفار قریش کی منطق کے جال میں نہ پھنسیں اور وہ منطق نبوی و روش محمدی کی طرف پلٹ آئیں۔

چھٹا مقدمہ

کیوں نہیں ہم انھیں ان کے حال اور ان کے دین پر چھوڑ دیتے؟

آپ کہہ سکتے ہیں کہ عائشہ یا ابو بکر کو ننگا کرنے کے لئے یہ ساری کوششیں کوئی نتیجہ نہیں دیں گی! کیونکہ جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی ولایت و محبت پر مصر ہیں وہ اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے چاہے آپ ان کے سامنے ہزار دلیل و برہان قائم کر دیں پھر کیا فائدہ ہم اس میدان میں اپنے آپ کو تھکائیں؟ کیوں نہ ہم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان کی ہدایت کے چکر میں اپنے سروں کو درد میں مبتلا نہ کریں کیا خود اللہ کا ارشاد نہیں ہے:" تمھارا دین تمہیں مبارک ہو اور ہمارا دین ہمیں "[56]۔

جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ دعوی صحیح نہیں ہے کیونکہ واقعیت یہ ہے کہ یہ کوششیں کامیاب ہیں اور مطلوبہ نتائج بر آمد ہو رہے ہیں اور دلیل کے طور پر سنیوں کی وہ فوجیں ہیں جو جوق در جوق ھدایت یافتہ ہو رہی ہیں حق کو پہچان رہے ہیں اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے موالی ہو رہے ہیں اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کر رہے ہیں اور جب ہم ان کے شیعہ ہونے کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پہلے مرحلہ میں آئمہ کفر وضلالت ابو بکر و عمر و عائشہ کی وہمی قداست کی پامالی ہے یہی وجہ ہے کہ جب یہ لوگ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں اور اپنی شیعیت کا اعلان کرتے ہیں یا پھر اپنے تجربات کو کتابوں میں ذکر کرتے ہیں تو ایک فصل علیحدہ طور پر انھیں لوگوں

---

(56) سورۂ کافرون: آیت ۷۔

کے مطاعن، کرتوت اور جرائم کو ایسے انداز میں اور جرأت وشدت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جس کی ایک شیعہ مصنف ومئولف کے یہاں جرأت وشدت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ انھوں نے جہل ونادانی کی اسارت وقید کی سہی ہوتی ہیں اور جرائم ومثالب کی چوٹی پر پہنچنے والے لوگوں کی وہمی شخصیات سے دھوکہ کھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

اور اگر یہ کوششیں صرف ایک انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا سبب بنیں تب بھی کافی ہے اور اسے کامیابی و کامرانی شمار کیا جائے گا اس لئے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اگر تمہارے ہاتھوں ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو تمہارے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے[57]۔ جبکہ ان کوششوں سے ہر سال ہزاروں افراد ہدایت پا رہے ہیں۔

اور بالکل ان ساری کوششوں کا علی الاطلاق کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہو تب بھی ہماری شرعی ذمہ داری ہم پر لازم کرتی ہے کہ ہم ان کوششوں کو جاری رکھیں اور یہ شرعی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ طرف مقابل کے متاثر نہ ہونے سے ختم نہیں ہو جاتا اور جو لوگ اس کے سقوط کے قائل بھی ہیں وہ وجوب کے ساقط ہونے کے قائل ہیں استحباب کے نہیں۔

(57)شرح نہج البلاغہ معتزلی: ج۴، ص ۱۳۔

قرآن مجید، امر بالمعروف کرنے والوں اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی نجات کا گواہ بنے گا اس فریضہ کو چھوڑ دینے والوں کا نہیں

اس مسئلہ کی حقیقت کو آپ کتاب خدا میں تدبر کر کے سمجھ سکتے ہیں قرآن مجید اصحاب سبت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے: "اور جب ان کی ایک جماعت نے مصلحین سے کہا کہ تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا اس پر شدید عذاب کرنے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم پروردگار کی بارگاہ میں عذر چاہتے ہیں اور شاید یہ لوگ متقی بن ہی جائیں اس کے بعد جب انہوں نے یاد ہانی کو فراموش کر دیا تو ہم نے برائیوں سے روکنے والوں کو بچا لیا اور ظالموں کو ان کے فسق اور بد کرداری کی بنا پر سخت ترین عذاب کی گرفت میں لے لیا[58]۔

ان دونوں کریمہ آیتوں کا موضوع سخن بنی اسرائیل کے فاسقین پر بیٹے ماجرا کا بیان ہے اس لئے کہ خداوند متعال نے بنی اسرائیل کے اوپر سنیچر کے دن سمندر سے شکار کو حرام قرار دے دیا تھا لیکن وہ مکر و فریب کے ذریعہ شکار کرتے تھے تو بنی اسرائیل کی ایک مؤمن جماعت ان سے علاحدہ ہو گئی اور یہ مومن جماعت بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی کہ جن میں ایک گروہ فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی پر مصر رہتے ہوئے فاسقوں کو وعظ و نصیحت کرتا تھا جبکہ مومنین کے دوسرے گروہ نے اس فریضہ کو چھوڑ دیا تھا اور وعظ و نصیحت کرنے والے گروہ کی ملامت کرتا تھا کہ ان فاسقین پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے یا یہ ہدایت یافتہ

---

(58) سورۂ اعراف: آیت ۱۶۶،۱۶۵۔

ہونے والے نہیں ہیں بلکہ وہ ضد و دشمنی پر اتر آئے ہیں اور عنقریب اللہ انہیں ہلاک کر دے گا اور ان کے اوپر شدید عذاب نازل فرمائے گا لہذا انہیں وعظ و نصیحت کی یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ ساری کوششیں کسی کام آنے والی نہیں ہیں!

مگر مومنین کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند گروہ، اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا اور ان کا کہنا تھا کہ ہمارا یہ اصرار اللہ کی طرف سے عذر کا حصول ہے کہ ہم نے اپنے اوپر واجب، فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ادا کر دیا ہے اور اس میں کوتاہی سے کام نہیں لیا ہے اگرچہ قوم ہماری آواز پر لبیک نہیں کہہ رہی ہے اسی طرح ان کے اس اصرار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ وہ متقی بن جائیں (اور شکار کرنے سے باز رہیں) اگرچہ یہ امید بہت دور کی بات معلوم ہو رہی تھی اور ایسا ہی ہوا فاسقوں، ظالموں نے ان کی آواز پر لبیک نہیں کہا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا اور انہیں ان کے فسق و فجور کے باعث سخت ترین عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حیرت و تعجب خیز بات یہ ہے کہ اللہ نے نص فرما دی ہے کہ مومنین کا بس وہی گروہ نجات پا سکا جو فاسقوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا اور انہیں برائی سے روک رہا تھا اس لئے کہ قرآن نے کہا ہے: "ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روک رہے تھے" اس کا مطلب ہے کہ مؤمنین کا دوسرا گروہ جو اس فریضہ کی ادائیگی سے باز رہا وہ بھی ہلاک ہو گیا اگرچہ اسے ان عذاب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو ظالموں اور فاسقوں کو ہو گا یعنی مؤمن گروہ کی طرف سے شرعی فریضہ کی ادائیگی سے سستی بھی عقوبت اور سزا کا باعث بنی کیونکہ خود یہ سستی ذاتی طور پر نافرمانی ہے۔

یہیں سے یہ بات آپ پر روشن ہو جانی چاہئیے کہ جو لوگ اس شرعی فریضہ کو ادا کرتے ہیں اور اپنی پوری توانائی صرف کر دیتے ہیں اللہ بس انہیں لوگوں کو نجات دیتا ہے اور وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اگرچہ کوئی ایک بھی ان کے ذریعہ ہدایت یافتہ نہ ہو اس لئے کہ انہوں نے پروردگار کے سامنے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا ہے لیکن مومنین کا وہ دوسرا گروہ گھاٹے میں ہے اگرچہ وہ مؤمن ہے لیکن انہوں نے کوتاہی کی اور سستی سے کام لیا ہے۔

اسی طرح کی رغبت ہم بھی رکھتے ہیں ہم اپنے فریضہ کو ادا کر رہے ہیں تاکہ خدا ہمیں ہلاکت میں مبتلا نہ کرے ہم امر بالمعروف کرتے ہیں اور وہ معروف، ولایت اہل بیت علیہم السلام ہے اور ہم نہی عن المنکر کرتے ہیں اور وہ ولایت ابو بکر و عمر و عائشہ وغیرہ ہے اور یہی در حقیقت اس فریضہ کا لب و لباب ہے اور اس کو حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابو حنیفہ لعنت اللہ کے سامنے واضح کر دیا ہے جناب شیخ مفیدؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادقؑ عراق کے علاقہ حیرہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کی خدمت میں ابو حنیفہ بھی حاضر ہوا اور آکر اس نے بہت سے سوالات کئے اور ان سوالوں میں سے ایک یہ تھا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں ۔۔۔امر بالمعروف کیا ہے ؟ امام صادقؑ نے فرمایا معروف اے ابو حنیفہ ؟ آسمان والوں میں بھی معروف ہے اور زمین والوں میں بھی معروف ہے اور وہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اس نے کہا میں آپ پر قربان ہو جاؤں تو پھر منکر کیا ہے ؟ امام صادقؑ نے فرمایا: وہ دونوں ہیں

جنہوں نے امیر المومنینؑ پر ظلم کیا اور ان کے حق کو غصب کر لیا اور ان سے سلطنت چھین لی اور لوگوں کو ان کے خلاف کر دیا[59]۔

جہاں تک آیت کریمہ (لکم دینکم ولی دین) کی بات ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکلیف ساقط ہے اور اب کسی کافر کو یا مخالف کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرنا ہے اور نہ ہی اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں میں بیٹھ رہیں اور کلمۂ اسلام کی تعلّی اور مکتب تشیع کی سربلندی کے اور لوگوں کی ہدایت کے لئے جہاد نہ کریں بلکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کافر یا مخالف دین کو مجبور نہ کریں بلکہ اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے دین پر باقی رہے اور آخرت میں اس کے نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہے اسی طرح اسے بھی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کو اپنانے کے لئے ہمیں مجبور کرے اور یہ قطعاً صحیح نہیں ہے کہ انسان، قرآن مجید کی ایک آیت لیکر اپنے خواہشات کے مطابق اس کی تفسیر کرے اور باقی آراو نظریات کو بالائے طاق رکھ دے قرآن مجید کی آیتیں اگرچہ انسان کو یہ حق دیتی ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف دین کا پابند رہے، اور اسے مجبور نہیں کرتیں کہ وہ اسلام کو قبول ہی کرلے لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں پر لازم بھی کرتی ہیں کہ کافر کی ہدایت کے لئے اور اسے حق کا بصیر بنانے کے لئے کام کریں اور تم جو ہمارے اوپر اس جلیل القدر فریضہ کی ادائیگی پر اعتراض کرنے والے بن

---

(59) بحار الانوار: ج ۱۰ ص ۲۰۸ پر ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابو حنیفہ نعمان کے منہ پر اپنے اس قول کے ذریعہ زوردار طمانچہ رسید کیا ہے اور اس کلام میں ابو بکر اور عمر کی اہانت پر صریحی طعن پایا جاتا ہے کاش شیعان اہلبیتؑ آج بھی اپنے امام حضرت امام جعفر صادقؑ سے سیکھتے کہ کس طرح مخالفوں، ناصبیوں کے منہ پر بڑی شجاعت و جرأت کے ساتھ کلمہ حق ادا کیا جاتا ہے ۔

گئے غافل ہو تمہیں پتا ہی نہیں ہے کہ اس میں کس قدر عظیم ثواب ہے جناب رسول خداؐ نے ارشاد نے فرمایا ہے جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ در حقیقت روئے زمین پر اللہ اور اس کے رسولؐ کا خلیفہ ہے(60)۔

ذرا تم سوچو تو صحیح کہ تم ہمیں کس عظیم مقام و منزلت سے محروم کونا چاہتے ہو یہ خدا و رسول کے خلفاء کا مقام و مرتبہ ہے اس ایک جہت سے، اب اگر تم ان خلفاء میں سے نہیں ہونا چاہتے تو یہ تمہاری مرضی ہے ۔

(60) مستدرک الوسائل: ج ۱۲، ص ۱۷۹۔

ساتواں مقدمہ

ہمیں ایک لاعلاج بیماری، بنام تقیہ لگ گئی ہے!

جو نہی شیعی معاشرے میں کوئی گروہ اٹھتا ہے کہ شیعہ شخص کو جہالت کی دبیز قید سے آزاد کرائے اور انہیں واقعیات کے سامنے سر تسلیم خم کرائے تو فوراڈرپوکوں کو، شکست خوردہ لوگوں اور مال متاع دنیا کے اوپر کتوں کی طرح چھینا جھپٹی کرنے والوں اور مخالفین کی چاپلوسی کرنے والوں کا ایک دھڑا اٹھ جاتا ہے اور ان سے لڑنے لگتا ہے یہ لوگ مصلحت پسند، دنیا طلب اور مال و شہرت کے پجاری ہیں۔

ان لوگوں نے شجاع مومنین کے خلاف بہت گندی جنگ چھیڑ دی ہے اور مسلسل ان کے خلاف منظم طریقہ سے ہر قسم کی عیب جوئی، انہیں ساقط و بے آبرو کرنے کے لئے کوئی بھی وسیلہ استعمال کرتے ہیں تاکہ جمہور شیعہ کی توجہ ان کی طرف مبذول نہ ہونے پائے اور رچے بسے فارمولے بدلنے نہ پائیں، اگر یہ تبدیلی رونما ہو جائے تو امت تشیع کی عزت و شان دوچند ہو جائے گی مگر یہ تبدیلی اپنے ساتھ بہت سی فاسد سربراہی کو بہالے جائے گی اور اس کے ساتھ تمام مفادات بھی ختم ہو جائیں گے اسی لئے فاسد سربراہوں کو اور ان کے ہوالی موالی کو آپ دیکھیں کہ ناک بھوں ایسا چڑھاتے ہیں جیسے "بدکتے ہوے گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں"۔

ایسے لوگ مکتب تشیع کے طفیلی اور شیعی معاشرے کے خس و خاشاک ہیں جو صرف حالت ضعف و کمزوری میں کھانے پینے کو پا جاتے ہیں اس لئے اسی حالت میں باقی رہنا چاہتے ہیں اور

اس کی بقا کے لئے تمام انسانی طاقت لگا دیتے ہیں اور مادی وسائل کام میں لے آتے ہیں اور آج کل ان کی آواز بلند ہے اور جم کر تنقید کر رہے ہیں تا کہ ان کے لئے میدان صاف ہو جائے اور وہ سادہ لوح شیعوں اور سواد اعظم یعنی سنیوں کو بہکا سکیں۔

ان کی مکاریوں اور چالبازیوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے شیعوں کو لاعلاج بیماری میں مبتلا کر دیا ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو رہی ہے اور بیٹے اپنے باپ دادا سے ورثہ میں پاتے جا رہے ہیں یہاں تک کے یہ بیماری جڑ پکڑ چکی ہے اس کا دائرہ بڑھ گیا ہے اور اس بیماری نے انسانوں کی قدرت و طاقت سلب کر لی ہے کہ وہ اب موجودہ تکلیف دہ صورت حال کو دگر گوں کرنے کی فکر کریں، اس بیماری نے قیام کرنے اور سربلندی حاصل کرنے کا ارادہ معطل کر دیا ہے اور ان کی ساری کوشش بس اسی امر میں صرف ہو رہی ہے کہ وہ ایک گوشہ میں سب سے جدا ہو کر بیٹھ رہیں اور انہیں کیا نفع یا کیا نقصان ہو رہا ہے اس کی کوئی پرواہ نہ کریں!۔

یہ لاعلاج بیماری کہ جس نے ملت تشیع کو جمود کی نیند سلا دیا ہے، اور انہیں ذلت ورسوائی کے ساتھ جینے کی عادی بنا رہی ہے اور اس بیماری کو شریعت مقدسہ سے نکالا ہوا ایک عنوان بھی دے دیا گیا اور آج وہ بیماری ایک بڑا عنوان و سرخی پا چکی ہے جبکہ وہ اپنے واقعی معنی سے کوسوں دور ہے جی ہاں اس شرعی عنوان کو تقیہ کہتے ہیں! مثلا کوئی شیعہ کسی عامی کی بزم میں بیٹھا ہوا ہو جس میں اس کے عقائد و مقدسات کی اہانت کی جا رہی ہے تو وہ اٹھ کھڑا ہو تا ہے اور جواب دینے کی پوری کوشش کرتا ہے لیکن افسوس کہ اس کے ساتھی اس کو جھڑک دیتے ہیں یہ کہتے ہوئے: کہ چپ رہو، خاموشی اختیار کرو، تقیہ کرو۔

کوئی شیعہ مذہبی محرکات کی بنیاد پر ظلم و حق کشی کا شکار ہوتا ہے جب وہ اپنا حق لینے کے لئے آمادہ ہوتا ہے تو اس کے رشتہ دار اس کی سرزنش و ملامت یہ کہتے ہوئے شروع کرتے ہیں کہ صبر سے کام لو، برداشت کرو، تقیہ کرو۔

کسی شیعہ کا باپ یا بیٹا ذبح کر دیا جاتا ہے وہ عادلانہ قصاص کے لئے آواز اٹھاتا ہے تو اس کے ساتھی اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے آجاتے ہیں کہ ,اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھو، شہید کو عند اللہ ماجور سمجھو، تقیہ کرو۔

شیعوں کے مقدس ترین مقدسات کو منہدم کر دیا جاتا ہے اور ان کے ہتک حرمت کی جاتی ہے (جیسا کہ جنت البقیع اور سامرا میں پیش آیا) اور شیعہ کو دینی غیرت آتی ہے اور وہ اپنے اوپر لادی گئی جنگ کو روکنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے مگر شیعہ سربراہ اس کے دونوں کان یہ کہہ کہہ کر بہرہ کر دیتے ہیں: غصہ پر کنٹرول کرو، ضبط نفس سے کام لو، تقیہ کرو[61]۔

---

(61) شیعہ وہ واحد فرقہ ہے جو تمام عالم کے فرقوں میں جو اپنے مقدسات کے سلسلہ میں کوتاہی کرتا ہے اور اپنے مقدسات کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں باقی رکھنے کو قبول کرتا ہے، حرم امام حسن عسکریؑ، سامراء کی مقدس سرزمین پر اس کی مثال ہے جو پرانے زمانے سے ناصبیوں کی نگرانی میں ہے اور ظالم وجابر صدام ملعون کے سرکش نظام کے خاتمہ کے بعد بھی شیعہ متحرک نہیں ہوئے اور نہ ہی انکے مراجع نے اس کی واپسی کے لئے کوئی قدم اٹھایا اور اس مقدس حرم کو دشمنوں کے ہاتھ میں باقی رہنے دیا یہاں تک کہ جو ہونا تھا ہو گیا اور اب اس پر رونا روتے ہیں!۔

میں شخصی طور پر اپنے بعض طالب علم ساتھیوں اور دینی بھائیوں کے ساتھ اس وقت جب کہ میں عراق میں تھا متحرک ہوا اور ہم نے بعض مراجع جو نجف اشرف میں صاحب نفوذ تھے زور ڈالا کہ حرم عسکریینؑ شیعہ وقف بورڈ کو واپس لوٹایا جائے یہ حرم سامراء پر ہوئے حملہ سے کئی سال پہلے کی بات ہے لیکن ہمیں کوئی سننے والا کان نہیں ملا اور صرف یہ کہا گیا کہ تقیہ کرو، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

شیعہ مناسک حج و عمرو کرنے کے لئے جاتا ہے اور حرم مکی کے آنگن میں صحیح طریقہ سے فرادیٰ نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو کسی پارٹی کا عمامہ والا آکر اسے یہ کہہ کر روکتا ہے کہ ،ان کے ساتھ نماز پڑھو، ان سے ملحق ہو جاؤ، تقیہ کرو(62)۔

شیعہ کسی عام محفل میں جہاں بعض مخالفین حاضر ہوتے ہیں پہنچتا ہے نماز کا وقت آجاتا ہے تو وہ اذان کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے ابھی وہ ذکر ولایت امیر المومنینؑ کے قریب پہنچا نہیں کہ کوئی اسے منع کرنے کے لئے پہنچ جاتا ہے، اسے حذف کر دو، آگے بڑھ جاؤ، تقیہ کرو(63)۔

شیعہ زیارۃ عاشورا پڑھتا ہے اور کسی چینل پر لائیو نقل و نشر ہو رہی ہوتی ہے جو نہی وہ ظالمین پر لعنت کرنے کے مقام پر پہنچتا ہے مسئولین گھبرا جاتے ہیں اور کہنا شروع کر دیتے ہیں: ٹھہر جاؤ، گذر جاؤ، تقیہ کرو(64)۔

---

(62) نئے بتری فقہاء کے فتاویٰ کے باعث ہر سال ایسا ہوتا ہے، فریب خوردہ شیعہ ، اس وہابی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے جو اس کے کفر کا فتویٰ دیتا ہے اور مسجد نبوی شریف میں اپنی پیشانی چٹائی یا مصلے پر رکھتا ہے۔

(63) ایسا لندن میں حذب الدعوہ کے چینل دار السلام میں ہو چکا ہے مجھ سے وہاں کے ایک مومن نے بتلایا کہ کوئی مصری قاری کو قرائت کے لئے بلایا گیا تھا صرف اسی ایک کی خاطر اور اس کے جذبات کو مد نظر رکھنے کے لئے اس رات اذان و اقامت بغیر شہادت ولایت امیر المومنین علیہ السلام کے دی گئی اور ایسا لبنان کی بہت سی مسجدوں میں بار بار ہوتا ہے جو بتریوں کی دیکھ ریکھ میں ہے۔

(64) اس سے بھی بد تر صورت حال کی خبر ہمیں امارات سے ایک مومن نے دی ہے کہ حذب اللہ لبنان کا تابع چینل ''المنار'' ابتداء میں دعاء کمیل نشر کرتا تھا اور اسی کے ساتھ وہاں کی کسی شیعہ مسجد میں جہاں چہاردہ معصومینؑ کے اسماء مبارک منقوش تھے ان کو دکھلاتا تھا لیکن بعد میں اسے حذف کر دیا اور اس کی جگہ نہر سمندر پرندوں وغیرہ کی تصویریں نشر کرنے لگا حالانکہ

کوئی مخالف، شیعہ ہو جاتا ہے اور حق اہل بیت علیہم السلام کا دفاع کرنے کے لئے کمر ہمت کس لیتا ہے جو نہی وہ اسٹیج پر آکر اپنے شیعہ ہونے کا واقعہ بیان کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے منتظمین آکر کہنا شروع کر دیتے ہیں عمر کے تذکرہ سے پرہیز کرو، ابو بکر کے ذکر سے گریز کرو، تقیہ کرو[(65)]۔

اس طرح کے نہ جانے کتنے درد بھرے واقعات مختلف زمان و مکان میں پیش آتے رہتے ہیں جہاں جہاں دنیا میں شیعہ رہتے ہیں ان پر حکومتوں کی طرف سے بڑا دباؤ رہتا ہے کبھی کہیں چھوٹ ملتی ہے کبھی کہیں کہیں نہیں ملتی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ شیعوں کو ان کے حقوق نہ ملنے میں صرف حکومتیں مجرم نہیں ہیں خود شیعہ بھی دخیل ہیں اس لئے کہ گھٹنے ٹیک ٹیک کر خود انہوں نے دوسروں کے لئے موقع فراہم کیا ہے کہ وہ شیعوں پر مسلط ہو جائیں اور ان کے اوپر ظلم روا رکھیں حتی کہ ان ملکوں میں بھی مظلوم واقع ہوں جہاں بھاری اکثریت شیعوں کی ہی ہے جیسے عراق بحرین کویت وغیرہ۔

آج بھی یہ اسماء مبار کہ حرم نبوی میں منقوش ہیں۔ اللہ برا کرے اس قوم کا جو مخالفوں کو خوش کرنے کے لئے اسماء ائمہ کو حذف کر کے چاپلوسی کرتی ہے۔

(65) ایسا واقعہ جناب شیخ شہید حسن شحاتہؒ کے ساتھ ایران میں پیش آیا جو مصر کے شیعہ ہو جانے والے عالم تھے انھوں نے بذات خود بتایا اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ، "حیرت ہے انھیں اس بات پر ایک شیعہ ملک و دیار میں بلایا گیا جہاں شیعہ حکومت ہے (جیسا کہ فرض کیا جاتا ہے) اور ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ایسا کچھ نہ کریں جب کہ وہ اپنے شہر اور ملک میں جہاں سنیوں کی حکومت ہے اور اس کی خاطر ان کو جیل بھی جانا پڑا تھا باز نہیں آتے تھے یہاں تک کہ انھیں شہید کر دیا گیا۔

اصلی مسئلہ حکومتوں کی طرف سے شیعوں پر ظلم کا نہیں ہے بلکہ شیعہ مزاج میں ایک بد ترین بیماری لگ گئی ہے جسے زبردستی تقیہ کا عنوان دیا جاتا ہے اسی کو ہم شیعوں کے مخالفین کے مقابلہ میں شجاعت و غیرت کے فقدان کا نام دیتے ہیں جس کے باعث مختلف مراحل میں شیعہ لوگ مخالفین کو چیلنج نہیں کر پاتے حتی کہ ان جگہوں پر بھی جہاں حکومتی کوئی دباؤ بھی نہیں ہے مثال کے طور پر مغربی ممالک میں، ان ملکوں میں ہر قسم کی آزادی، دینی و مذہبی چھوٹ کے باوجود شیعہ لوگ، دشمنان شیعیت کی شان و شوکت ختم کرنے کی قوت استعمال نہیں کرتے اور ان کے باطل کو کچلنے، اور ولایت آل محمدؑ کے پرچم کو بلند کرنے کی ہمت نہیں جٹا پاتے۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جونہی شیعوں کے بہادر لوگ کوئی انقلابی قدم اٹھاتے ہیں فوراً ڈرپوک شکست خوردہ اور بتریوں کا ڈھول بجنے لگتا ہے اور ایسے لوگوں کی مدد کے لئے شیعوں کے وہ عوام الناس جو کے دھوکے میں ہیں اور ان کے سامنے ایک ہی نعرہ دیا جاتا ہے کہ فلانی احکام تقیہ میں فقیہ ہے حالانکہ وہ اچھی طریقہ سے واجب نماز بھی ادا نہیں کر سکتا۔

آپ شاید کسی ایسے شیعہ کو نہ پائیں جسے یہ حدیث یاد نہ ہو کہ "تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے اور جس کے پاس تقیہ نہیں وہ دین نہیں رکھتا ہے" شاید ہی کوئی ایسا ملے جس کو یہ حدیث حفظ نہ ہو حالانکہ اس کے صحیح معنی سے لاعلم ہے گویا یہ تقیہ ایک ایسا ہینگر بنا دیا گیا ہے جس پر ہر قسم کی سستیوں و کوتاہیوں کو لٹکا دیا جاتا ہے ہر کوتاہی کا علاج تقیہ ہے بس تقیہ صرف تقیہ...

تقیہ کا صحیح اور شرعی معنی کیا ہے؟

اب چونکہ ہم اپنے جمہور مومنین کو اس لاعلاج خطرناک بیماری سے نجات دلانا چاہتے ہیں اور اس کا علاج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے صحیح اور شرعی معنی کو واضح کریں تاکہ پتہ چل جائے کہ جسے تقیہ کا نام دیا جارہا ہے وہ شکست اور پستی و ذلت کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے یہی وہ شئے ہے جس کے باعث ہمیں اس قدر شکستوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کی ہی وجہ سے آج وہابیوں اور ناصبیوں کی اتنی جرأت ہو گئی کہ انہوں نے ہمارے مقدسات کی بے حرمتی کی، ہمارا خون بہایا اور ہمارے ملکوں اور شہروں پر مسلط ہو گئے اور اسی کی وجہ سے شیعیت میں ترقی کی رفتار کند پڑ گئی ہے اور عالمی پیمانے پر شیعیت کے سامنے بڑے بڑے چیلنج ہیں جب کہ پہلے زمانہ کے شیعہ، عمری و بکری معاشرہ کو توڑ کر بہت جلد بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر لیتے تھے اور مخالفین کو حقیقی اسلام یعنی تشیع کی طرف بخوبی رہنمائی کر دیتے تھے۔

یقیناً مسئلہ تقیہ کا چھیڑنا آج بہت ضروری ہو گیا ہے اس لئے کے بہت سے لوگ آج کل ہمارے رافضی نہج کو جہالت کی بنیاد پر برا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روش حکم تقیہ کے مخالف ہے لہذا ہم مجبور ہیں کہ تقیہ کے حوالہ سے ذرا تفصیلی کلام پیش کریں تاکہ عوام الناس کے اذہان سے تقیہ کے حوالہ سے شبہات دور ہو جائیں ہماری گفتگو چند مقامات پر ہو گی۔

پہلا مقام:

تقیہ اصل میں رخصت و اجازت کا نام ہے وجوب و فریضہ کا نام نہیں ہے رخصت کا

مطلب یہ ہے کہ مکلف کو احتمال ضرر سے بچنے کے لئے شارع مقدس نے چھوٹ دے رکھی ہے کہ جہاں ایسا مورد و محل آجائے وہاں حق کے مخالف امر حرام کا ارتکاب جائز ہے کہ اگر وہ حق کے مخالف عمل کو انجام نہیں دے گا تو اسے ضرر و نقصان اٹھانا پڑے گا اور دو آیتیں ہیں جو صرف اس مطلب پر اتنی مقدار میں دلالت کرتی ہیں کہ تقیہ بس رخصت اور استثنائی اجازت ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔"خبر دار صاحبان ایمان مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہو گا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے"[66]۔اس آیت کا مفاد کافرین کو اولیاء و سرپرست ماننے کی حرمت کا سخت و شدید کرنا اور انہیں اس سے باز رکھنا ہے الاّ یہ کہ انہیں تقیہ کی خاطر اولیاء بنالیا جائے تو پھر اس مقام پر انہیں رخصت دی گئی ہے کہ اس فعل حرام کا ارتکاب کر سکتے ہیں وہ بھی اگر اس کے چھوڑ دینے میں شدید نقصان ہو رہا ہو تو، اس لئے کہ تقیہ اس مقام پر ضرر سے بچنے کے معنی میں ہے اور یہ عقلائی بات نہیں ہے کہ معمولی ضرر کی خاطر شدید ترین حرام کا ارتکاب کرنا جائز سمجھ لیا جائے لہذا شدید نقصان اٹھانے کا خدشہ ہونا ضروری ہے ورنہ عرف بھی معمولی نقصان کی خاطر بھاری گناہ کے ارتکاب میں عذر تراشی کو صحیح نہیں سمجھتا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ"جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اور کفر کے

---

(66)سورۂ آل عمران: آیت ۲۹۔

لئے سینہ کشادہ رکھتا ہو اس کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے[67] اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف پلٹ جانا شدید حرام ہے اور اس کے اوپر عذاب اور غضب الہی کا وعدہ دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ کہیں پر اسے مجبور کر دیا جائے اور وہ کفر کا فقط اظہار کرے کہ ایسی جگہ کفر ظاہری کے (نہ واقعی و قلبی) اظہار کی اجازت و رخصت دی گئی ہے اور وہ بھی اس جگہ جہاں ترک اظہار سے نا قابل برداشت ضرر و نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو اس لئے کہ اکراہ کا مطلب یہ کہ معمولی نقصان جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی وہاں اظہار کفر کا نام نہیں ہے اور شان نزول آیت کو دیکھنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ معمولی ضرر اس مقام سے خارج ہے۔

بنابرین ان دونوں آیتوں میں نہ تو امر وجوبی ہے اور نہ ہی الزامی کہ تقیہ ضرور کیا جائے بلکہ ان دونوں آیتوں میں بس جواز تقیہ کی بات ہے بنابرین تقیہ رخصت و اجازت کا نام ہے وجوب والزام کا نہیں۔

دوسرا مقام:

تقیہ کا حکم: موقع و محل کے اعتبار سے بدل جاتا ہے، تقیہ احکام خمسہ کے ہمراہ تقسیم ہوتی ہے۔

تقیۂ واجب: جہاں ضرر کا دور کرنا واجب ہو وہاں تقیہ واجب ہے، لیکن اسی کے ساتھ کوئی مفسدہ مترتب نہ ہوتا ہو جیسے کسی مومن کے قتل کا سبب نہ بنے۔

---

(67) سورۂ نحل: آیت ۱۰۷۔

تقیۂ مستحب: جہاں نقصانات سے بچا جا سکتا ہو چاہے وہ نقصانات آئیندہ پیش آ سکتے ہوں جیسے کہ مخالفین کے ساتھ نماز جماعت نہ پڑھنا کہ بتدریج اس سے آئندہ نقصان ہو سکتا ہے۔

تقیۂ مباح: جہاں کسی فعل کا انجام دینا اور نہ دینا ترازوئے شریعت میں برابر ہو جیسے کہ بعض مقامات پر کلمۂ کفر کا اظہار کرنا یا نہ کرنا، کہ نہ کرنے سے قابل برداشت نقصان ہو سکتا ہے۔

تقیۂ مکروہ: جہاں اسے چھوڑ دینا اور نقصان برداشت کر لینا ارجح ہو جیسے کسی ایسے انسان کا شراب پینا کہ جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور اس کے شراب پینے سے لوگوں کے ذہنوں میں حکم حرمت کے متزلزل ہونے کا شبہ پیدا ہو رہا ہو۔

تقیہ حرام: جہاں ترک تقیہ میں معمولی نقصان بھی نہ ہو رہا ہو یا انجام تقیہ سے کوئی بڑا مفسدہ پیدا ہو رہا ہو جیسے کسی نفس محترم کا قتل یا کسی کو نقصان پہنچانا وغیرہ۔

بنابرین تقیہ اپنے اوپر یا مومنین کے اوپر ضرر و نقصان کے حصول یا عدم حصول پر موقوف ہے اور اس مسئلہ کو لغوی معنی ملاحظہ کرنے سے با آسانی حل کیا جا سکتا ہے کیونکہ تقیہ "اتقی یتقی شراً او ضرراً" کا اسم مصدر ہے اور اس کا حکم مصادیق کی تبدیلی سے بدل جاتا ہے نیز تقیہ سے وہ قوائد و ضوابط جو کہ احکام اوّلی پر حاکمیت و حکومت رکھتے ہیں ضمیمہ کئے جاتے ہیں جیسے کہ قائدہ لاضرر ولاضرار اور قائدہ اضطرار وغیرہ۔

اس بنیاد پر جہاں ضرر و نقصان کا موقع و محل نہ ہو وہاں مطلقاً تقیہ کا محل و مقام نہیں ہے اور جو بعض لوگ حکم تقیہ کو ضرر و نقصان کے مقامات کے علاوہ جگہوں پر جاری کرنے کا توہم

کرتے ہیں اور بعض روایات کو اس سرایت کا مستند مانتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس داخلی و خارجی قرینے موجود ہیں کہ تقیہ کا محل و مقام بس ضرر و نقصان کے موارد ہیں دوسری بات یہ ہے کہ ان روایتوں میں دیگر روایتوں سے تعارض پایا جاتا ہے لہٰذا تقیہ والی روایات کو انہیں کے مقام پر حمل کیا جائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ جن روایات کو پیش کرکے تقیہ کو سرایت دینا چاہتے ہیں در حقیقت وہ روایات حسن معاشرت، مکارم اخلاق وغیرہ سے متعلق ہیں نہ کہ باب تقیہ سے لہٰذا وہ تخصصاً محل بحث اور مورد تقیہ سے خارج ہیں کیونکہ تقیہ فعل حرام کے ارتکاب کو مجبوری میں تجویز کرتی ہے اس سلسلے میں ایک توہم کو بیان کرکے اس کا دفعیہ کرنا ضروری ہے ملاحظہ ہو:

توہم

بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ تقیہ، موارد ضرر کے علاوہ مقامات کو بھی شامل ہے حشام کندی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: خبر دار کوئی ایسا کام نہ کرو کہ جس کی وجہ سے ہماری سرزنش کی جائے اس لئے کہ برا بیٹا اپنے عمل کی وجہ سے باپ کے لئے ننگ و عار بن جاتا ہے تم لوگ جن کے ہو ان کے لئے زینت کا سبب بنو ان کے لئے ننگ و عار کا سبب نہ بنو مخالفین کے قبیلوں میں نماز پڑھو ان کے مریضوں کی عیادت کو جاؤ۔ ان کے جنازہ کی تشیع کرو دیکھو وہ تم سے کسی بھی نیک کام میں سبقت نہ لے پائیں تم نیک کام کے لئے ان سے زیادہ اولی و سزا

وار ہو خدا کی قسم اللہ عزوجل کی عبادت "خِبء" سے زیادہ کسی اور چیز کے ذریعہ نہیں کی گئی ہے میں نے عرض کیا کہ یہ خبء کیا ہے تو امام نے فرمایا تقیہ [68]۔

دفیعہ

اگر ہم روایت کے ذیل میں موجود داخلی قرینہ سے چشم پوشی بھی کرلیں جو واضح کر رہا ہے کہ یہ روایت در حقیقت حصول ضرر کے موقع سے تعلق رکھتی ہے اور روایت میں امام تقیہ پر نص فرمارہے ہیں اور آپ تقیہ کا معنی سمجھ چکے ہیں کہ وہ ضرر سے بچنے کا نام ہے اس حدیث کے صدر میں استعمال الفاظ سے اور اس کے مشابہ حدیثوں کے الفاظ میں واضح قرینہ موجود ہے یہ روایات مقام ضرر سے تعلق کھتی ہیں۔جناب برقی عبد اللہ بن سنان سے اور وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا : میں تم سب کو تقوائے الٰہی اختیار کرنے کی سفارش کرتا ہوں اور دیکھو لوگوں کو اپنے کاندھوں پر نہ اٹھالینا کہ ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے اللہ عزوجل اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے "لوگوں سے اچھی باتیں کرو" پھر امام نے فرمایا:

مخالفین کے مریضوں کی عیادت کرو، ان کے جنازوں کی تشیع کرو، ان کے خلاف اور ان کے حق میں گواہ بنو ان کے ساتھ ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو پھر امام نے فرمایا: اس قوم کے لئے اس سے بدتر کیا ہو سکتا ہے کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی پیروی کر رہے ہیں جو انہیں کچھ کرنے کا اور کچھ چیزوں سے روکنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ قوم ان کی باتوں کو قبول نہیں کرتی ان کی حدیثوں کو ان کے دشمنوں کے سامنے نشر کر دیتی ہے پھر دشمن آکے ہم سے کہتا ہے

---

(68) کافی: ج۲، ص۲۱۹۔

کہ ایک قوم یہ کہتی ہے اور وہ کہتی ہے، پھر ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان اقوال سے بری ہیں نتیجہ میں یہ برائت ان کے اوپر پڑتی ہے یعنی ان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے (69)۔

اس روایت میں قرینہ امام کا یہ جملہ ہے (لوگوں کو اپنے کاندھوں پر نہ اٹھاؤ کہ تمہیں ذلیل و رسوا ہونا پڑے) یہاں پر ضرر و نقصان، ذلت و رسوائی کا حصول ہے اگر تقیہ نہ کیا جائے اور ان کے ساتھ گھل مل کر نہ رہا جائے جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ بھی ہے کہ جو ضرر شیعوں کو ملحق ہو گا وہ بالواسطہ ان کے ائمہ علیہم السلام کو ملحق ہو گا کیونکہ ان کے دشمن ان کے پاس آکر شیعوں کے کردار و اقوال سے نفرت کا اظہار کریں گے جس کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے جیسا کے روایت میں خود امام علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔

اس طرح کی تمام روایتوں کا لب و لہجہ اور خاص طور سے ان روایتوں کا کہ جن میں شیعوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھیں بتلا رہا ہے کہ ان کا تعلق بس اسی صورت میں ہے جب کے کوئی چارۂ کار باقی نہ ہو اور ترک تقیہ سے مخالفین کو شیعہ کی حالت کا علم ہو جائے اور وہ اس کی ہلاکت یا بڑے خطرہ کا سبب بن جائے جیسا کہ جناب اسحاق بن عمار سے شیخ طوسی نے روایت کی ہے اور اس میں امام صادقؑ نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اسحاق کہتے ہیں کہ پھر میں نے جماعت سے فراغت کے بعد خود سے (فرادیٰ) چار رکعت نماز پڑھی پھر واپس ہوا تو پانچ یا چھ لوگ میرے پڑوسیوں میں سے میرے پاس آئے جو اموی اور

(69) محاسن برقی: ج۱، ص۱۸۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے سابقہ روایت سے زیادہ صحت کی حامل ہے اور جگہ ہم سند کی ترجیح کو عمل میں لائیں گے کیونکہ یہاں شرعی و تکلیفی حکم استنباط کیا جا رہا ہے۔

مخزومی تھے میرے پاس بیٹھے اور کہنے لگے اے ابوہاشم خدا تمہیں جزائے خیر دے خدا کی قسم! ہم تو تمہارے بارے میں لوگوں سے کچھ اور سنتے چلے آئے ہیں لیکن اب ہماری رائے تمہارے بارے میں بدل گئی ہے میں نے کہا وہ کیا ہے:

وہ بولے کہ ہم نے تمہارا پیچھا کیا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم سمجھتے تھے کہ تم ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھتے لیکن ہم نے دیکھا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی اور ہماری نماز تم نے بھی پڑھی خدا تم سے خوش رہے اور تمہیں جزائے خیر دے میں نے کہا سبحان اللہ! کیا مجھ جیسے کے لئے ایسا کہا جاتا ہے؟ اسحاق کہتے ہیں اس وقت مجھے پتا چلا کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھے ایسا حکم نہیں دیا تھا مگر انہیں میری جان کا خوف تھا ایسے حالات کے لئے "[70]۔

بنابراین وہ تمام روایات جن میں سنیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے ضروری ہے کہ ہم انہیں مورد تقیہ پر حمل کریں اور جہاں نقصان کا دور یا نزدیک حالت میں خطرہ لاحق ہو وہاں کے لئے ان روایات کو پیش کریں ورنہ ان کے ساتھ نماز پڑھنے کے جواز کی روایات ان روایتوں سے تعارض رکھتی ہیں جن میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ اس مخالف کے پیچھے بھی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کا محب ہے مگر آپ کے اوپر سبقت لے جانے والے خلفاء سے بھی محبت کرتا ہے اور جب تک ان سے برائت کا اعلان نہیں کرتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اسماعیل جعفی سے شیخ طوسی روایت کرتے ہیں کہ میں

(70) تہذیب: ج۳، ص۳۸۔ جناب حر عاملی نے اس قسم کی روایات کو کہ جن سے مجزی ہونے کا حکم نکلتا ہے شدت تقیہ پر حمل کیا ہے جیسا کہ انھوں نے وسائل کے باب ۳۴ کا نام ہی یہ تجویز کیا ہے "باب، جس شخص کی اقتدا نہیں کہ جاسکتی اس کے پیچھے عذر کی بنیاد پر قرائت ساقط ہے اور شدت تقیہ کے باعث اگر رکوع میں درک کرلے تو مجزی ہے۔

نے امام ابو جعفر الباقرؑ سے عرض کیا ایک شخص حضرت امیر المومنینؑ کو چاہتا ہے مگر وہ ان کے دشمن سے تبرا نہیں کرتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ امام علیؑ میرے نزدیک ان کے مخالفین سے زیادہ محبوب ہیں تو امام باقرؑ نے فرمایا: یہ شخص مخلوط کرنے والا اور دشمن ہے اس کے پیچھے نماز مت پڑھو، کوئی کرامت و ثواب نہیں ہے مگر یہ کہ تمہیں اس سے بچنا ہو (تقیہ کا مورد ہو) [71]۔

حضرت امام باقرؑ کے اس فیصلہ کن کلام سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ تمام روایات جو سنیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کی دعوت دے رہی ہیں جیسے کہ ان کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھنے والا ایسا ہے کہ جیسے جناب رسول خدا ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والا ہے اس کے مانند روایات بس اس لئے وارد ہوئی ہیں تاکہ سنیوں کے شر سے مومنین کو محفوظ رکھا جاسکے کہ اگر وہ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے تو انکا نقصان ہو سکتا ہے لیکن جب یہ خطرہ ٹل جائے جیسے کہ آج کل کے زمانہ میں تو ان کے ساتھ کسی بھی حال میں نماز جائز نہیں ہے اور اگر یہ حالت (خوف و ضرر) نہ بھی مرتفع ہو لیکن دوسرے عناوین عارض ہو جائیں جیسے کہ شیعوں کی توہین ورسوائی ہو رہی ہو اور مومنین کے عقائد متزلزل ہو رہے ہوں تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا حرام ہے اور یہ طے ہے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا محرک سوائے تقیہ کے اور کچھ نہیں ہے لہٰذا یہ جو بعض کوتاہ فکر اور منحرف قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ نہیں جناب دوسرا محرک بھی ہے جیسے ''وحدت اسلامیہ کا اظہار اور الفت و اتحاد'' تو یہ صرف بدعت ہے اور اس کی تعلیمات اہل بیتؑ میں کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔

---

(71) تہذیب: ج۲، ص۲۸۔

اس کے علاوہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ جو بعض روایات پیش کی جاتی ہیں کہ ان سے میل جول رکھا جائے تو وہ محل تقیہ سے تخصصاً خارج روایات ہیں کیونکہ ہم نے جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے تقیہ کی شرعی حقیقت بس یہی ہے کہ حرام کا ارتکاب، مجبوری اور نقصان کی صورت میں جائز ہے چاہے یہ نقصان کچھ دنوں بعد ہو اور یہ طے ہے کہ ان کے مریضوں کی عیادت میں ان کے جنازوں کی تشییع وغیرہ میں ایسا کچھ نہیں ہے اور اسی پر وہ کثیر روایات بھی دلالت کرتی ہیں جو مکارم اخلاق اور نیکی کا سلوک کرنے کے باب میں سفارشات وارد ہوئی ہیں لہذا ان روایات کو نقصان کے خطرہ کی شرط ہٹا کر جاری مجرائے تقیہ کرنا سراسر غلط ہے[72]۔

نیکی کا سلوک صرف سنیوں کے ساتھ وارد نہیں ہوا ہے بلکہ ان کے علاوہ لوگوں کو جیسے کہ کفار اور اہل کتاب کے ساتھ بھی انھیں اسلام اور مسلمین کا دوست بنانے کے لئے اچھے سلوک روا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جناب اسحاق بن عمار سے جناب شیخ صدوق روایت کرتے ہیں کہ امام

---

(72) مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: علامہ کلینی کی کافی ج ۲ ص ۶۳۶ باب "معاشرت میں کیا واجب ہے" زید شحام حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: "... ان قبائل سے رابطہ رکھو، ان کے جنازے کی تشیع کرو، ان کے مریضوں کی عیادت کو جاؤ، ان کے حقوق کو ادا کرو، اس لئے کہ تم میں سے جب کوئی دین میں تقویٰ و پرہیز گاری سے کام لیتا ہے، سچی بات کرتا ہے، امانت ادا کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے تو کہا جاتا ہے "**ھٰذا جعفریؑ**" یہ جعفر صادقؑ کا ماننے والا ہے تو اس سے مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے اور مجھے فرح و سرور حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے: '**ھذا ادب جعفر**' "یہ جعفر صادقؑ کا کردار و ادب ہے لیکن جب اس کے برعکس ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے ہمیں مصیبت جھیلنی پڑتی ہے اور ننگ و عار سہنی پڑتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے "یہ جعفر صادق کا کردار ہے" یعنی حقارت سے ہماری توہین کی جاتی ہے۔

جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک یہودی کی بھی آمد ورفت ہے تو اس کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو[73]۔

یہ بھی یاد رہے کہ سنیوں کے ساتھ تال میل کے بھی کچھ شرائط و ضوابط ہیں ورنہ روایات میں ان کے احترام کو حرام قرار دیا گیا ہے ان سے مسکرا کر ملنے کو منع کیا گیا ہے جناب صدوق ابن فضال سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جو ہمارے مخالفین کا اکرام و احترام کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس سے ہیں[74] "علامہ مجلسیؒ صاحب کتاب ریاض الجنان سے سند کے ساتھ اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے مولاو آقا امیر المومنینؑ کو فرماتے سنا ہے کہ "جو شخص ہمارے دشمن سے وہ نواصب ہو یا معتزلی، خارجی ہو یا قدری، مخالف مذہب امامیہ ہوں یا کوئی اور ہوں اگر ان سے مسکرا کر بات کرے گا خداوند متعال اس کی چالیس سال کی اطاعت و بندگی کو قبول نہیں فرمائے گا "[75]۔

ان روایتوں کے اور ان کے پہلے جو گزر چکی ہیں کہ ان کے ساتھ اچھے سلوک کرو، یوں جمع کیا جائے گا کہ جو اصلی مخالفین ہیں یا شدید قسم کے ہیں یعنی ان کے بڑے بڑے لیڈر اور علماء کا اکرام واحترام کرنے سے، ان سے مسکرا کر بات کرنے سے، ان کے باطل کی تقویت ہوتی ہے اور تعلیمات اہل بیتؑ کی خلاف ورزی ہے لہٰذا احرام ہے اس بنیاد پر آج کل جو بعض جاہل و نادان اور

---

(73) امالی صدوقؒ: ص۲۷۷۔

(74) صفات الشیعہ صدوقؒ: ص۸۔

(75) مستدرک الوسائل: ج۱۲، ص۳۲۲ و بحار الانوار: ج۱۰۲، ص۲۱۶۔

منحرف لوگ، تقریب کی کانفرنسوں میں اور وحدت اسلامیہ کا نام دی جانے والی تقریبات میں سنیوں کے زعماء کی عزت و تکریم کرتے ہیں ان کے علماء کے ساتھ معانقہ کرتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں یہ سب کا سب تعلیمات آل محمدؐ سے خروج ہے۔

اور جو یہ روایات میں آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ تقیہ کی پابندی کی شدید تاکید کی جارہی ہے تو وہ سب کا سب روایات ان زمانہ کے حالات کے تحت خارجی مصادیق و قضایا سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے کہ ان دنوں بنی مروان کے لونڈوں کی حکومت تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ تقیہ جیسا کہ بعض جہلاء خیال کرتے ہیں کہ وہ ہر چیز میں ہے چاہے کوئی ضرورت یا ضرر ہو یا نہ ہو، ایسا نہیں ہے بلکہ تقیہ کا محل و موقع بس توقع ضرر اور خوف نقصان کے دائر مدار ہے اگر نقصان کا احراز ہو جائے تو تقیہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی کبھی واجب ہے تو کبھی مستحب یا مباح یا مکروہ ایسا نہیں ہے کہ ہر جگہ تقیہ واجب ہی ہو۔

سقوط تقیہ کی چند مثالیں

تیسرا مقام:

جس جگہ ترک تقیہ اولیٰ ہو یا اس کے کرنے میں شدید مفسدہ ہو وہاں وجوب تقیہ کا حکم ساقط ہو جاتا ہے ایسی صورت میں تقیہ پر عمل کرنا حرام ہو جاتا ہے اور نفس کو نقصان یا ہلاکت میں ڈالنا واجب ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں تقیہ کے استحباب کا حکم ساقط ہو جاتا ہے اور وہ مکروہ میں بدل جاتا ہے یا پھر مباح ہو جاتا ہے جیسے کہ تقیہ کرنے یا نہ کرنے میں دونوں کی مصلحت میں برابری ہو جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے لیجئے سقوط تقیہ کے چند موارد ملاحظہ فرمائیں:

الف:

حضرت سید الشہداء ابو عبد اللہ الحسینؑ نے حکومت یزید بن معاویہ لعنۃ اللہ علیہما کے خلاف زندہ جاوید انقلاب برپا کیا اس سلسلے میں کسی دو آدمی کے درمیان اختلاف نہیں ہے کہ امام حسینؑ کے زمانہ میں محل و مقام تقیہ پکا تھا اور امام کے لئے حتمی قتل کے نقصان کو بچانے کے لئے تقیہ پر عمل کرنا جائز تھا آپ یزید سے مصالحت کر لیتے اس کی بیعت کر کے اسکے حکم و حکومت کو تسلیم کر لیتے اور یہی ابن زیاد لعنۃ اللہ علیہ کا بھی مطالبہ تھا جبکہ اسنے لشکر پر لشکر سرزمین کربلا کی طرف روانہ کیا تھا وہ بس یہی تو چاہتا تھا اور یہ معرکہ پہلے سے حتمی نتیجہ کے ہمراہ تھا کیونکہ قوت و طاقت کے ترازو پر لشکر ایمان اور لشکر کفر کے درمیان کوئی برابری کا نظر نہیں آرہی تھی ان سب کے باوجود حضرت امام حسینؑ نے اپنی جان کی قربانی اپنے اہل بیتؑ اور اپنے انصار کی قربانی دینے

کو مقدم کیا اور ان سب کے قتل و شہادت کو، باغیوں اور طلقاء کی اولاد کے ہاتھوں پر بیعت کرنے پر مقدم جانا اور آپ نے اس پستی کو دور رکھا اور ان ملاعین کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا آپ نے علانیہ طور پر فرما دیا تھا کہ "ہم سے ذلت ورسوائی کوسوں دور ہے"۔

امام حسینؑ کی جانب سے طرح طرح کے ظلم و ستم برداشت کرنا، قتل و اسارت اور انواع اقسام کی بلاؤں کو اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال و اصحاب کے لئے قبول کر لینے کا مقصد یہ تھا کہ امام دیکھ رہے تھے کہ تقیہ نہ کرنے کی مصلحت تقیہ پر عمل کرنے سے کہیں زیادہ ہیں اور اس مصلحت کو امام حسینؑ نے خود ہی اپنے مقدس کلام میں بیان فرمایا ہے کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں جس کا مفاد یہ ہے کہ میں دین بچانا چاہتا ہوں جبار حکمراں کو سرنگوں کرنا چاہتا ہوں اور ہمیشہ کے لئے حق و باطل کے درمیان تمیز قائم کر دینا چاہتا ہوں تا کہ حق و باطل میں اختلاط کے باعث کوئی انسان منحرف نہ ہو جائے اور واقعۂ کربلا نے یہ تمیز قائم کر دی اور ایسا فیصلہ مجسم کر دیا کہ اب یہ حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز محو نہیں ہو سکتی اور آپ نے ایسا شعور بیدار کر دیا ہے کہ فکر و سلوک انسانی میں اس کا اثر منعکس ہوتا رہے گا اور لوگ شر و ظلم اور باطل کو دور پھینکتے رہیں گے اور خیر و عدل اور حق کو اخذ کرتے رہیں گے۔

مدرسہ عاشورہ میں موجود آثار و افکار میں غور و فکر کرنے والا بخوبی درک کر سکتا کہ کس طرح امام حسینؑ نے جان بوجھ کر تقیہ چھوڑ کر سخت ترین و شدید ترین معرکہ کا انتخاب کیا جب کہ آپ کو قطعی علم تھا کہ کیا دشمن کے لوگ آپ کو قتل کر دیں گے اور بہت جلد آپ اور آپ کے اصحاب و انصار کو دشمن کی طرف سے جنگ کا سامنا ہے لیکن ان سب کے باوجود دین کی حفاظت

، کلمہ الٰہی کی سربلندی آپ کی شہادت پر موقوف ہے اور یہی وہ برترین مصلحت تھی کہ جس کے باعث وجوب تقیہ کا حکم آپ سے ساقط ہو گیا حالانکہ نقصان اور ضرر کا سب سے بڑا مصداق اور شدید و تام مصداق اور موضوع محقق ہو چکا تھا۔

ب:

تمام فرزندان توحید کے مولا و آقا حضرت امیر المومنین علیہ السلام مسجد کوفہ میں اپنے اصحاب و انصار کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ جن میں ابو بکر و عمر علیہما اللعنۃ کے حوالی موالی بھی کثرت سے موجود تھے اشعث بن قیس کندی ملعون کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے امامؑ نے ابو بکر و عمر و غیرہ کے ظلم و ستم کو برملا کیا اور صراحت کے ساتھ بغیر کسی لحاظ اور تقیہ کے ان کے جرائم سے پردہ فاش کیا حالانکہ وہاں موجود مخالفین کے دلوں میں لاوے پھوٹ رہے تھے اور آپ کے لشکر کی اکثریات انہیں مخالفین پر مشتمل تھی جنھیں امامؑ کے بیان سے بہت غصہ آرہا تھا اور امام کے اوپر ان کی طرف سے بہت خطرہ بھی لاحق تھا اور ایسا ہوا بھی کیونکہ بدبخت ترین ملعون عبد الرحمٰن بن ملجم لعنۃ اللہ علیہ نے آپ کو محراب نماز میں نماز کی حالت میں مسجد کے اندر شہید کر ڈالا[76]۔

---

(76) یہ بات مخفی نہ رہے کہ خوارج کہ جن میں سے ایک ملعون ابن ملجم ہے ان لوگوں کے مذہب کی بنیاد ابو بکر و عمر کو حضرت علی علیہ السلام پر برتری و تقدم دینے پر قائم ہے اور خوارج قتل و غارت اور دھوکہ بازی اور غداری والے افراد ہیں اور امامؑ کی جانب سے یہ بیان، سوال استنکاری کی بناء پر صادر ہوا ہے جس کا تعلق ابو بکر و عمر سے ہے اور اس میں اشعث بن قیس خارجی نے غصہ سے کہا تھا کہ " اے فرزند ابو طالب! پھر کیا چیز مانع تھی کہ تم نے جب برادر ابو تیم یعنی ابو بکر کی بیعت کی گئی پھر برادر ابن عدی

اس واقعہ کے چشم دید گواہ جناب سلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب میں کلام امیر المومنینؑ کے باعث وجود پانے والے حادثہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں "اس دن شیعیان امام علیؑ میں سے کوئی ایسانہ تھا جو خوش و خرم نہ ہو اور امام کے کلام سے مسرور نہ ہو اس لئے کہ امیر المومنین علیؑ نے اس روز بات کو کھل کر بیان کر دیا تھا اور پردے اٹھا دیئے تھے اور تقیہ ترک کر دیا تھا"۔

اور علماء قراء[77] میں سے کوئی بھی ایسانہ تھا کہ جو گزشتہ خلفاء[78] کے سلسلہ میں شک و شبہ کرتا تھا اور ان پر طعن کرنے سے گریز کرتا تھا اور ان سے تبرا نہیں کرتا تھا اس خیال سے کہ یہ تقویٰ و پرہیز گاری کے خلاف ہے مگر اس روز شک و شبہ دور ہو گیا اور ان کی رائے بدل گئی وہ یقین و بصارت کی منزل میں داخل ہو گئے اور اسی روز انہوں نے شک و شبہ چھوڑ دیا اور جن جن لوگوں کو بیعت امام سے انکار تھا مگر عثمان اور اس سے ما قابل خلفاء کی روش پر انہوں نے لاچاری کی باعث

یعنی عمر کی بیعت کی گئی پھر برادر بنی امیہ یعنی عثمان کی بیعت کی گئی تو تم نے جنگ نہیں کی اور تلوار نہیں اٹھائی" دیکھئے کتاب سلیم :ص ۶۶۳۔

(77) قراء قاریٔ قرآن کی جمع ہے ان دنوں علماء و دانش مند ان کو یا وہ گروہ جو دوسروں کو تعلیم دیتے تھے اور اس تعلیم کی بنیاد پر انھیں برتری حاصل تھی قاری یا قراء کہا جاتا تھا۔

(78) یعنی عمری گروہ یہی لوگ تھے جنھیں اکثریت حاصل تھی اور انھیں لوگوں نے حضرت امیر المومنینؑ کے ہمرکاب ہو کر جنگ نہیں کی اور انھوں نے شیعوں کی طرح یہ اعتقاد بھی نہیں رکھا کہ حضرت علی علیہ السلام، حجت خدا، اور منصوص من اللہ خلیفہ ہیں اور ان لوگوں نے بس حضرت کے ہاتھوں اسی طرح بیعت کرلی تھی جس طرح حضرت سے ما قبل تینوں ملعونوں کے ہاتھوں پر دنیوی حاکم کی طرح بیعت کی تھی۔

بیعت امام کرلی تھی انہیں امام کا کلام بڑا ناگوار گزرا اور وہ بہت کڑھے لیکن عوام الناس کا شک دور ہو گیا اور وہ حقیقت حال سے آشنا ہو گئے۔

اس روز سے زیادہ ہماری آنکھوں کو سکون و قرار نہیں حاصل ہوا کیونکہ عوام الناس کے سامنے امام نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا تھا اور حق واضح کر دیا تھا اور واقعیت کی تشریح فرمادی تھی اور تقیہ بالکل کنارے پر رکھ دیا تھا۔

اس بزم کے بعد اسی روز سے شیعوں کی تعداد بڑھ گئی اور وہ بولنے لگے (79) حالانکہ امام کے لشکر میں آپ کے شیعوں کی تعداد بہت کم تھی اور لوگوں کی اکثریت آپ کے حق سے جہالت کے ساتھ نبرد آزما تھی اور انہیں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک منزلت و عظمت کا علم نہیں تھا لیکن اس روز کی تقریر کے بعد لوگوں کی اکثریت شیعوں میں بدل گئی۔

یہ واقعہ جنگ نہروان کے بعد کا ہے اور اس وقت کی بات ہے جبکہ آپ لوگوں کو معاویہ سے دوبارہ جنگ کرنے کے لئے آمادگی کا حکم دے رہے تھے مگر چند روز کے بعد ہی آپ کو شہید کر دیا گیا ابن ملجم ملعون نے دھوکہ سے آپ کو شہید کر دیا اس نے اپنی تلوار کو پہلے سے زہر میں بجھا رکھا تھا۔ اللہ کا درود و سلام ہو ہمارے مولا و آقا حضرت امیر المؤمنینؑ پر۔

جناب سلیم کے اس کلام میں غور و فکر فرمائیں۔

---

(79) یعنی انھوں نے کھل کر اپنے عقیدوں کو بیان کرنا شروع کر دیا اور حضرت امیر المومنینؑ کے سلسلہ میں اپنی عقیدت کا صراحت کے ساتھ اعلان کرنے لگے حالانکہ اس سے پہلے تینوں جنگوں (جمل، صفین، نہروان) کے حالات کی وجہ سے ایسی قدرت و توانائی نہیں رکھتے تھے مزید بر آن وہ اقلیت میں بھی تھے۔

" امیر المومنینؑ نے حقیقت امر کی تشریح فرمادی، کھل کر بیان کر دیا، پردہ اٹھادیا، تقیہ ترک کر دیا۔۔۔ حق کو آشکار کر دیا، واقعیت کی تشریح کر دی، تقیہ کو ایک کنارے ڈال دیا" اس کلام سے واضح ہے کہ مقام و محل تقیہ محقق تھا پھر بھی آپ نے تقیہ نہیں کیا اور امیر المومنینؑ نے اہم کو مہم پر مقدم کرنے کے لئے تقیہ چھوڑ دیا اہم لوگوں کی اکثریت کو جو کہ آپ کے مخالف تھے اپنے حق سے آگاہ کرنا اور اللہ رسول کے نزدیک اپنی عظمت و منزلت کا بیان کرنا اور اپنے اوپر سبقت لے جانے والے ظالم حکام کو ننگا کرنا اور ان کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا تھا تاکہ لوگ ان سے بیزاری و تبراء کریں اور اس دین واقعی کو درک کر لیں جس سے خدا راضی و خوشنود ہے وہی دین کہ جس میں ظالموں سے تولا ممنوع ہے۔

اس اقدام کا ایک بڑا ثمر بخش اور پیارا نتیجہ یہ رہا کہ لوگوں کی اکثریت بصیر بن گئی ان کے شکوک و شبہات دور ہو گئے اور دوسرا بُرا نتیجہ یہ ہوا کہ کافی لوگوں کی آپ سے نفرت میں اضافہ ہو گیا اور وہ آپ کے اور آپ کے شیعوں کے قتل کے در پئے ہو گئے اس لئے کہ مولا امیر المومنینؑ کے یہ کلمات یقینا مخالفین کے سخت غیض و غضب کا باعث ہو گئے اگر چہ ان میں کئی مسلک والے تھے لیکن سب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور معاویہ اس طرح کے کلمات اور خطبات امیر المومنینؑ سے سوء استفادہ کیا کرتا تھا تاکہ لوگوں کو امام کے خلاف بھڑکا سکے اور یہ بات امام علیؑ سے مخفی بھی نہیں تھی آپ کے ایک شیعہ نے شام سے خط بھیجا جس میں اس نے لکھا تھا۔

"معاویہ لوگوں کو خوب بھڑکا رہا ہے اور انہیں خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے للکار رہا ہے "معاویہ کے بھڑکاؤ بیان میں یہ بھی تھا" علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے اور وہ ابو بکر و عمر کے اوپر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی خلیفہ رسول خدا ﷺ ہیں اور ابو بکر و عمر سے زیادہ حقدار خلافت ہیں" ان کلمات کے باعث عوام الناس اور قراء (علماء) کی اکثریت صرف چند لوگوں کو چھوڑ کر سب کے سب معاویہ کے ارد گرد جمع ہو گئے (80)۔

ایسے مقام پر جہاں بہت سخت حالات تھے پھر بھی امام امیر المومنین علیؑ نے تقیہ چھوڑ دیا یعنی تقیہ کے موضوع بھاری نقصان کے محقق ہو جانے کے باوجود تقیہ کا حکم وجودی ساقط ہو گیا تھا کیونکہ ترک تقیہ میں فعل تقیہ سے زیادہ اولیٰ و اہم مصلحت کار فرما تھی اب کوئی یہ کہے کہ نقصان کا احتمال منتفی تھا کیونکہ جناب امیرؑ حاکم وقت تھے کیونکہ اس کے جواب میں یہ کہا جائیگا کہ اگرچہ آپ حاکم وقت تھے تب بھی آپ کو نقصان کے وقوع پزیر ہونے سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا اور اسکی دلیل آپ کا دھوکہ سے قتل ہونا ہے اس کے علاوہ یہ نقصان صرف آپ سے متعلق محتمل نہیں تھا بلکہ آپکے اصحاب و انصار اور شیعوں کو بھی لاحق تھا اور یہ ضرر نہیں اضرار کہلاتا ہے جو سخت حرام ہے لیکن اس کے باوجود اس کی حرمت، مصلحت اہم کے باعث ساقط ہو گئی تھی جناب سلیم نے خود ہی امامؑ کے اقدام کو ترک تقیہ سے تعبیر کیا ہے یعنی تقیہ کا موضوع محقق تھا ورنہ ترک تقیہ کا کوئی اور معنی نہیں نکلتا۔

(80) کتاب سلیم بن قیس: ح ۶۷، ص ۹۱۷۔

ج:

حضرت امیر المومنینؑ کا جناب میثم تمار رضوان اللہ کے ساتھ مکالمہ ہے جس میں آپ نے میثم سے فرمایا تھا: "اے میثم! اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب کہ بنی امیہ کا ایک حرام زادہ تمہیں مجھ سے برائت کرنے کے لئے بلائے گا میثم نے عرض کیا، اے امیر المومنینؑ میں خدا کی قسم آپ سے تبرا نہیں کروں گا تو امامؑ نے فرمایا: پھر خدا کی قسم تمہیں وہ قتل کر دے گا اور پھانس پر چڑھا دے گا میں نے عرض کیا مولا میں صبر کروں گا یہ تو راہ خدا میں بہت کم ہے تو امام نے فرمایا: "اے میثم! پھر تو تم میرے ساتھ میرے ہم درجہ ہو گے [81]"۔

یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ بھاری نقصان، قتل اور پھانس کے وقوع کا یقین ہوتے ہوئے بھی ترک تقیہ مستحب ہے اس لئے کہ ترک تقیہ سے ولایت اہل بیتؑ کی تاکید و تثبیت ہوتی ہے خاص طور سے ایسے لوگوں کے لئے جو رہبر و پیشوا ہوتے ہیں اور لوگوں کی نگاہوں اور توجہات کا مرکز ہوتے ہیں اسی لئے حضرت میثمؒ نے ایسا قدم اٹھایا اور اسی طرح رشید ھجری، حجر بن عدی، کمیل بن زیاد اور قنبر علیہم رحمۃ اللہ و رضوانہم وغیرہ نے ایسا اقدام کیا ان بزرگواروں کو قتل کیا گیا، سولی پر چڑھایا گیا، ہاتھ پیر اور زبان کاٹی گئی لیکن پھر بھی ان بزرگواروں نے اپنے مولا حضرت امیر المومنینؑ سے برائت اختیار نہیں کی کیونکہ اگر یہ لوگ ایسا کرتے تو اس زمانہ کے بہت سے شیعوں کے عقائد متزلزل ہو جاتے اس لئے شیعوں کی نظریں انہیں بزرگواروں پر جمی ہوئی تھی اور یہ لوگ حضرت امیر المومنینؑ کے بارزترین شیعوں میں سے تھے اور اس میں کوئی شک و

(81) وسائل الشیعہ: ج۱۶، ص۲۲۷ میں رجال کشی اور خرائج راوندی سے نقل کرتے ہوئے۔

شبہ نہیں ہے کہ ان بزرگواروں کے گھٹنا ٹیک دینے سے اور اعلان برائت کو قبول کرنے سے شیعوں کے عزم وارادے کمزور پڑ جاتے اور ان کے دل کی قوت ضعیف ہو جاتی اور آئندہ بھی اس کے بہت برے اثرات مترتب ہوتے اور بدترین حالت یہ پیدا ہوتی کہ یا تو شیعیت مضمحل ہو کر رہ جاتی یا کمزور پڑ جاتی۔

اس کے علاوہ ذیل روایت میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ جو شخص راہ دین میں اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے ضرر و نقصان کا سامنا کرتا ہے تقیہ چھوڑ دیتا ہے اس کا مقام اللہ کے نزدیک بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ امیر المومنینؑ نے میثمؒ سے فرمایا: **"پھر تو تم میرے ساتھ میرے ہم درجہ ہوگے"۔**

روایت کے مفاد و معنی پر یہ کہہ کر اشکال کیا گیا ہے کہ اس روایت سے ترک تقیہ کے رجحان کا استفادہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ روایت اس طرح کے مقامات پر دوسری روایت سے تعارض رکھتی ہے وہ روایت جناب کلینی نے محمد بن مروان سے نقل فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ کس چیز نے حضرت میثم کو تقیہ کرنے سے روک دیا تھا؟ خدا کی قسم! ان کو معلوم تھا کہ حضرت عمار یاسر اور ان کے اصحاب کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے: "مگر یہ کہ جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو"[82] یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کو میثم کے اقدام پر اعتراض تھا اور وہ یہ کہ ان کو تقیہ پر عمل کرنا چاہیئے تھا ترک تقیہ نہیں کرنا چاہئے تھا؟۔

(82) کافی: ج ۲، ص ۲۲۰۔

جواب اشکال یہ ہے کہ لفظ میثم عربی ادب کی رو سے ممنوع الصرف نہیں ہے اگر امام صادقؑ کا کلام مقام اعتراض میں ہوتا تو لفظ میثم منع کے فعل کی وجہ سے منصوب (مفتوح) ہو جاتا اور عبادت "مامنع میثماً" ہوتی جبکہ تمام نسخوں میں لفظ میثم "میثمٌ" ذکر ہوا ہے یعنی مرفوع (مضموم) ہے لہٰذا فعل منع مجہول پڑھا جائے گا اور عبارت اس طرح ذکر ہو گی "مامُنع میثمٌ رحمه الله من التقية" اور اس طرح یہ کلام مقام مدح و ثناء میں واقع ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت میثم کو اپنے حق میں نقصان کے موضوع کو محقق ہونے کی وجہ سے شرعی طور پر تقیہ کی رخصت کو استعمال کرنے سے کوئی مانع نہیں تھا اور اس حکم کا علم رکھتے ہوئے اور حضرت عمار اور ان کے اصحاب کے سلسلہ میں آیت کے نزول اور حکم سے واقفیت کے باوجود جناب میثم نے ترک تقیہ کو مقدم کیا حضرت امیر المومنینؑ سے برائت کا اظہار نہیں کیا لہٰذا اس طرح کے مقامات پر ترک تقیہ کے رجحان کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

اور شاید امام صادقؑ کا یہ قول: "جناب میثم کو ترک تقیہ سے کوئی شئ مانع نہیں تھی" جواب ہو اس گمان کا میثم جناب امیر المومنینؑ کی طرف سے مجاز نہیں تھے کہ تقیہ کرتے ہوئے امام سے اظہار برائت کریں۔ کیونکہ خود امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو میرے سب و شتم پر مجبور کیا جائے گا تو تم سب و شتم کر دینا اور تمہیں مجھ سے برائت کی دعوت دی جائے گی تو گردن بڑھا دینا (قتل ہو جانا) کہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہوں [83] "لہٰذا کلام امام جعفر

(83) امالی شیخ طوسی: ص ۲۱۰، اس حدیث کو بھی ان حدیثوں میں شمار کیا جا سکتا ہے جن میں تقیہ چھوڑ دینے کا جواز اور تلوار کے آگے گردن پیش کر دینے کا حکم ہے تاکہ حضرات ائمہ طاہرین کی نصرت اور عزت و تکریم ہو، لیکن کیا کیا جائے کہ مقابل میں اس کے معاوض روایات بھی ہیں جس کی وجہ سے مذکورہ روایت سے استدلال مخدوش ہے اور معارض روایتوں کو بھی سند میں ضعف کے

صادقؑ اس گمان کی تردید کے لئے وارد ہوا ہے، جناب میثم کو اس حدیث کے تحت تقیہ کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو حق حاصل تھا کہ تقیہ کرتے ہوئے امام علیؑ سے اظہار برائت کر لیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا صرف اجر الٰہی کی خاطر، اس کے علاوہ امام جعفر صادقؑ نے دوسری روایت میں اس بات کی نفی کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ نے میثم کو تقیہ کرنے سے منع کیا ہو اور اظہار برائت سے حتیٰ کے مورد و محل تقیہ میں روکا ہو۔ جناب کلینی، مسعدہ بن صدقہ سے روایت کرتے ہیں کہ : حضرت امام جعفر صادقؑ سے کس نے پوچھا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیؑ نے منبر کوفہ سے فرمایا تھا: " اے لوگو! تمہیں مجھ پر سب و شتم کے لئے کہا جائے گا تو تم مجھ پر سب و شتم کر دینا پھر تمہیں مجھ سے برائت کی دعوت دی جائے گی تو تم مجھ سے برائت اختیار نہ کرنا، تو امام صادقؑ نے فرمایا: لوگ حضرت امیر المومنین علیؑ پر کس قدر جھوٹ اور افترا پردازی کرتے ہیں پھر فرمایا امام علیؑ نے فرمایا تھا کہ تمہیں مجھ پر سب و شتم کے لئے پکارا جائے گا تو تم سب و شتم کر دینا پھر تمہیں مجھ سے برائت کی دعوت دی جائے گی تو میں دین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم ہوں اور امام علیؑ نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھ سے برائت نہ کرنا" سائل نے امام صادقؑ سے پوچھا مولا آپ کیا فرماتے ہیں اگر وہ قتل کو برائت پر مقدم کرے؟ تو امام صادقؑ نے فرمایا: خدا کی قسم اسے یہ حق حاصل نہیں ہے اسے بس وہی حق حاصل ہے جو حضرت عمار یاسر نے استعمال کیا جبکہ اہل مکہ نے ان کو مجبور کر دیا تھا اور ان کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن تھا تو اللہ نے ان کی شان میں یہ آیت نازل کی " مگر یہ کہ جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر

باعث نہیں ٹھکرایا جا سکتا کیونکہ اس کے رواۃ ہماری معتبر کتابوں کامل الزیارات و تفسیر قمی کے سلسلہ سند میں وارد ہوئے ہیں جو غالباً ثقہ ہیں۔

مطمئن ہو"۔اس وقت جناب رسول خدا ﷺ نے عمار سے فرمایا تھا" اے عمار اگر وہ لوگ پھر تمہیں مجبور کریں تو پھر تم بول دینا کہ اللہ نے تمہارے عزر کو قبول کیا ہے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ دوبارہ ایسی صورت حال پیدا ہو تو تم پھر بول سکتے ہو"(84)۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یہاں تو امام صادقؑ نے روایت مسعدہ بن صدقہ میں تقیہ کو واجب قرار دیا ہے اور عدم تقیہ کو حرام قرار دیا ہے ؟تو ہم جواب میں کہیں گے کہ امام صادقؑ نے ترک تقیہ کے وجوب کی نفی کی ہے آپ کا کلام یہ ہے "خدا کی قسم! اس کے اوپر وہ واجب نہیں ہے" یعنی اس کے اوپر قتل ہو جانا واجب نہیں ہے نہ یہ کہ اس پر تقیہ پر عمل کرنا ہی واجب ہو۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ امام صادقؑ نے تقیہ کرنے کو تقیہ چھوڑنے پر ترجیح دی ہے اپنے اس قول سے " اس کو حق حاصل نہیں ہے مگر وہی جو حضرت عمار کو حاصل تھا" تو ہم جواب میں کہیں گے کہ آپ خلاصہ ٔکلام میں یہ سمجھ جائیں گے کہ اگر تقیہ پر عمل کرنے میں مرتب ہونے والی مصلحتیں اعظم و اولیٰ ہوں ترک تقیہ کی مصلحتوں سے تو یقینا تقیہ پر عمل پیدا ہونا راجح و بہتر ہے اور اگر اس کے بر عکس صورت حال ہو تو ترک تقیہ اولیٰ اور رجحان رکھتی ہے اسی بنا پر یہ حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث میں تقیہ کو ترک تقیہ پر رجحان دیا گیا ہے اور ان کا تعلق ان خاص حالات سے ہے کہ جہاں تقیہ پر عمل پیرا ہونا اولی اور اس پر مترتب ہونے والی مصالح زیادہ ہوں لیکن ہماری گفتگو کا محل اس کے بر عکس ہے جیسا کہ حضرت میثم تمار کی مثال سے واضح ہے اور ہم نے ترک تقیہ کے فلسفہ کو بیان کر دیا ہے کہ حضرت میثم جیسے حالات میں جہاں کلمہ ٔاسلام کی سر

(84) کافی: ج۲، ص۲۱۹۔

بلندی، شیعیت اور ولایت آل محمدؑ کی سر افرازی ترک تقیہ پر موقوف ہو تو وہاں ترک تقیہ ہی راجح، اولیٰ اور اللہ کے نزدیک زیادہ ثواب کا باعث ہے بلکہ ایسی بعض صورتوں میں ترک تقیہ واجب ہے۔

د:

جناب کلینی نے عبد اللہ بن عطاء سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے عرض کیا کہ کوفہ کے دو لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان دونوں سے کہا گیا کہ حضرت امیر المئومنینؑ سے تبراء کرو تو ان میں سے ایک نے تبراء کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا جس نے تبراء کیا اس کو چھوڑ دیا گیا اور دوسرے کو قتل کر دیا گیا امام باقرؑ نے فرمایا:

وہ شخص کہ جس نے تبراء کیا وہ مرد فقیہ ہے اور دوسرا جس نے تبراء نہیں کیا وہ جلدی سے جنت کو سدھار گیا ہے[85]۔

اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ وہ دونوں حضرت امیر المومنینؑ کے شیعہ تھے کوفہ کی ظالم حکومت نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان کو حضرت امیر المومنینؑ سے تبراء کرنے پر مجبور کیا ان میں سے ایک نے تبراء کر دیا اور اپنی جان بچانے کے لئے تقیہ کیا اور وہ بچ گیا جبکہ دوسرے شیعہ نے منع کر دیا اس کی غیرت ووفاداری نے تقیہ کرنے کی اجازت نہیں دی تو اسے شہید کر دیا

(85) کافی: ج ۲، ص ۲۲۱۔

گیا حضرت امام محمد باقرؑ نے دونوں کے عمل کی مدح فرمائی ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ جس نے تبراء نہیں کیا وہ جلدی جنت کو سدھارا جب کہ جس نے تبراء کر دیا ہے وہ تاخیر سے جنت کو پہنچا۔

اس حدیث کی دلالت واضح ہے کہ ضرر و نقصان کے وقوع کا یقین اور قتل کا احراز واثبات پایہ ثبوت کو پہنچ جانے کے باوجود ترک تقیہ رجحان رکھتا ہے کیونکہ مقام ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اعزاز و تکریم کے لئے ترک تقیہ اور ان کی ولایت کی راہ میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قربانی پیش کرنا مستحب ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ امام باقرؑ نے تقیہ کر کے تبرا کرنے والے کو دین میں فقیہ سے توصیف کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ فعل تقیہ ارجح واولیٰ ہے تو جواب میں کہا جائے گا کہ امام باقرؑ نے تبرا نہ کرنے والے کو جلدی جنت سدھارنے والا کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ اس کا فعل ارجح تھا کیونکہ جنت کی طرف سبقت ہی افضل ہے "اور سابقون سابقون ہیں اور وہی مقرب ہیں" (86) اور تبرا کرنے والے کی دین میں فقیہ سے تعبیر صرف اسی لئے ہے کہ وہ اس حکم تقیہ سے آگاہ تھا اور اضطراری حالت میں اس نے جو عمل انجام دیا وہی تقاضۂ حال تھا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فقیہ کے مقابل میں جاہل ہوتا ہے لہٰذا تبرا نہ کرنے والا جاہل قاصر ہے اسے حکم تقیہ کا علم نہیں تھا کیونکہ جواب میں یہ کہا جائے گا کہ حدیث محل مقابلہ و مقایسہ میں وارد نہیں ہوئی ہے اور یہ کہ تبرا نہ کرنے والا حکم تقیہ سے واقف نہیں تھا اس کے لئے دلیل چاہیئے بلکہ حدیث کا سیاق یہ بتلا رہا ہے کہ اس کو حکم تقیہ کا علم تھا کیونکہ اسی کا ساتھی جسے گرفتار کیا گیا تھا اور تبرا کرنے کی وجہ

(86) سورۂ واقعہ: آیت ۱۱۔۱۲۔

سے اسے چھوڑ دیا گیا تھا وہ اس کے حال سے واقف تھا اس کے علاوہ امام باقرؑ نے اس کی مدح کی ہے جس کے بعد اس کی جہل و نادانی کے باعث زبردستی کی عذر تراشی کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ہم ترک تقیہ کے رجحان کے قائل بھی ہو جائیں اور یہ کہیں کہ اس طرح کے مقامات پر تقیہ کرنا ہی صحیح ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میزان شریعت میں یہ دونوں عمل برابری کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ضرر و نقصان کا یقین ہوتے ہوئے بھی ترک تقیہ جائز ہے اور یہی ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔

۵:

ابن ابی جمہور احسائی نے روایت لکھی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے مسلمانوں میں سے دو کو گرفتار کر لیا ایک سے اس نے کہا کہ تم محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اس نے پوچھا تم میرے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہو اس نے کہا: آپ بھی، یہ سن کر اسنے اس مسلمان کو چھوڑ دیا اور پھر دوسرے سے پوچھا تم محمد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا کہ اللہ کے رسول ہیں اس نے پوچھا تم میرے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہو تو اس دوسرے مسلمان نے کہا، میں بہرہ ہوں، مسیلمہ کذاب نے یہی سوال تین بار کیا اور وہ پہلے جیسا جواب دیتا رہا، مسیلمہ نے اسے قتل کر دیا یہ خبر رسول خدا تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

پہلے مسلمان نے اللہ کی رخصت واجازت کو استعمال کیا اور دوسرے شخص نے حق کا برملا اعلان کیا اسے مبارک ہو(87)۔ اس حدیث میں ہماری گفتگو سابقہ حدیث جیسی ہے کہ اس طرح کے یقینی موارد میں جہاں ضرر و نقصان یقینی ہو پھر بھی ترک تقیہ رجحان رکھتا ہے اس کے علاوہ یہاں حدیث میں تقیہ چھوڑنے والے کے اجر کو تقیہ کرنے والے کے اجر سے عظیم تر قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ رسول خداؐ نے پہلے شخص کے عذر کو قبول فرمایا ہے کہ اس نے رخصت واجازت یعنی تقیہ کو استعمال کیا ہے اور اس کے علاوہ رسول خداؐ نے اس کی کوئی مدح وثنا نہیں کی ہے جبکہ دوسرے شخص کی مدح کی ہے اور اسے حق کا برملا اعلان کرنے والا قرار دیتے ہوئے "هنياً له" اس کو مبارک ہو کہا ہے، غور کیجئے۔

و:

حضرت امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے کہ جناب سلمان فارسی کا گذر مدینہ کے یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا ان لوگوں نے سلمان فارسی کو کوڑے برسانے شروع کر دیئے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ ہم تمہیں اس وقت تک پیٹتے رہیں گے جب تک کہ تمہاری روح نکل نہ جائے یا پھر تم محمد سے کفر اختیار کرو! جناب سلمان فارسی نے کہا: میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا اس لئے کہ اللہ نے حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا ہے کہ: "جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں" اور میرے لئے تمہاری سزائیں برداشت کرکے ان کے زمرہ میں شامل ہونا آسان ہے کہ جن کی اللہ

(87) یعنی ان دونوں کو اسیر کر لیا گیا تھا اور یہ واقعہ حضرت رسول خداؐ کے زمانے کا ہے البتہ آپ کی حیات طیبہ کے اواخر ایام کا ہے ان دنوں مسیلمہ کذاب نے اپنے باطل دعوی نبوت کا آغاز کر دیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف اس کا ظلم و تشدد شروع ہو چکا تھا۔

نے اس طرح کی مدح کی ہے ان لوگوں نے اور زیادہ کوڑے برسانے شروع کر دیئے اور سلمان سے یہ کہا کہ اے سلمان! وائے ہو تم پر کیا محمد نے تمہیں اجازت نہیں دے رکھی ہے کہ کلمۂ کفر زبان پر جاری کر کے اپنے دشمنوں سے تقیہ کرلو اور اپنے عقیدے کے خلاف بول کر جان بچاؤ، تمہیں کیا ہو گیا ہے تم تقیہ کر کے اپنی جان کیوں نہیں بچالیتے جناب سلمان نے فرمایا اللہ عزوجل نے یقیناً مجھے اس کی اجازت دے رکھی ہے لیکن اسے میرے اوپر فرض وواجب نہیں کیا ہے بلکہ مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں تمہیں وہ نہ دوں جسے تم چاہتے ہو اور تمہاری زیادتیوں کو برداشت کروں تاکہ دونوں منزلتوں میں سے جو افضل وبرتر ہے اس کا حامل بن جاؤں اور میں اس کے علاوہ کو اختیار نہیں کروں گا "(88)۔

اس حدیث میں کھلی دلالت موجود ہے کہ ترک تقیہ رجحان رکھتا ہے بلند درجہ عظیم اجر وثواب اور فضل وبرتری کے حصول کی خاطر تقیہ نہ کر کے خطرات، آفات اور سزاؤں کا سہنا اور مصیبتوں کا برداشت کرنا اولیٰ ہے اور اسی طرح کے مقامات پر بھی تقیہ رخصت واجازت ہے واجب وفرض نہیں ہے لہٰذا جو شخص وہ اجر ومقام چاہتا ہے جو سلمان فارسی نے چاہا اور دو منزلتوں میں سے افضل واعلیٰ منزلت کو حاصل کیا ہے اسے چاہیئے کہ ترک تقیہ کو اپنائے۔

ظاہراً جناب سلمان کے جواز کے باوجود تقیہ سے باز رہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ یہودیوں کو خوشی حاصل نہ ہو وہ اس بات سے خوش نہ ہو سکیں کہ مسلمانوں کے ایک بلند

(88) تفسیر امام حسن عسکریؑ: ص۶۸، روایت کے آخر میں ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت سلمان کی جرئت اور قربانی کی مدح فرمائی ہے پھر ان یہودیوں سے انتقام بھی لیا ہے جنھوں نے حضرت سلمان کو ظلم وتشدد کا شکار بنایا تھا۔

مرتبہ انسان کو ذلیل کر کے اسے کفر بکنے پر مجبور کر دیا ہے ایسی صورت میں ان کا رد عمل اور بڑھ جاتا اور وہ اسلام اور مسلمین کے خلاف جنگ وجدال میں اور جری ہو جاتے اور جناب سلمان سے کفر اگلوانے کے نتیجہ میں ان کو حوصلہ مل جاتا کہ وہ مسلمانوں کی کسر شان کر سکتے ہیں ان پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے سلمان جیسے بزرگ وبرتر مسلمان کو پچھاڑ دیا اور انہیں کمزور بنادیا ہے تو پھر بقیہ مسلمانوں کو بآسانی پچھاڑ سکتے ہیں (لیکن جناب سلمان نے ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا) بنابریں تقیہ کرنے نہ کرنے پر مترتب ہونے والے مصالح ومفاسد، مقیاس ومعیار ہیں جہاں جس کا معیار راجح ہو گا اس کے مطابق عمل ارجح ہو گا اور اسی کے مطابق اجر وثواب مترتب ہو گا۔

تقیہ کرنا مشروط ہے کہ دین میں فساد وتباہی کا باعث نہ بنے

پہلی حدیث :

جناب کلینی نے مسعدہ بن صدقہ سے ایک طولانی حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ تقیہ کے موارد کی تشریح یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک بُری قوم ہو کہ جس کا ظاہری حکم اور کردار، حق اور اہل حق کے خلاف ہو ایسے موقع پر مومن ان کے درمیان تقیہ کے باعث جو کام بھی کرے جس سے دین میں تباہی کا اندیشہ نہ ہو تو وہ کام جائز ہے (89)۔

(89) کافی: ج ۲، ص ۱۶۸۔

اس حدیث میں محل شاہد امام کا یہ فرمان ہے۔ "ایسا کام جو دین میں تباہی کا سبب نہ بنے" اس کلام میں صریحی حکم موجود ہے کہ تقیہ اس جگہ حرام ہے جہاں دین میں تباہی پیدا ہو رہی ہو اسی لئے علماء و فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ فقیہ پر ایسی صورت میں تقیہ کے طور پر فتویٰ دینا حرام ہے مثال کے طور پر عمر نے سنیوں کے لئے جو بدعتیں قائم کی ہیں جیسے کہ نماز میں تکفیر کرنا (ہاتھ پر ہاتھ رکھنا)، جو کی شراب پینا، نماز صبح کی اذان میں **الصلوٰۃ خیر من النوم** کہنا، متعتین کو حرام قرار دینا، نماز تراویح کو جائز سمجھنا اور اس کے علاوہ بدعتیں، فقیہ پر واجب ہے کہ ایسے حالات پیش آجائیں تو اپنے نفس و جان کی قربانی کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرلے چاہے اسے قتل ہو جانا پڑے تاکہ دین میں فساد و تباہی پیدا نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ حق کے خلاف فتویٰ دے گا تو عوام الناس پر حق مشتبہ ہو جائے گا اور پھر اس سے بازگشت ممکن نہ ہو گی۔

اسی لئے ہم اپنے عظیم فقہاء کی تاریخ میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ انہوں نے جان و مال اور اہل و عیال کی قربانی پیش کردی اور شہید ہو گئے جیسے کہ محمد بن حسن بن علی فتال نیشاپوری، فضل بن حسن طبرسی، حسین بن محمد بن علی میکالی، محمد بن مکی عاملی معروف بہ شہید اول، زین الدین بن علی عاملی معروف بہ شہید ثانی، قاضی نوراللہ شوستری مرعشی تستری معروف بہ شہید ثالث، فقیہ شہاب الدین عبداللہ بن محمود بن سعید تستری خراسانی وغیرھم اس کے علاوہ بہت سے گذشتہ علماء و فقہاء ہیں خداوند متعال ان کی پاکیزہ ارواح کو مقدس و مبارک فرمائے۔

دوسری حدیث:

شیخ مفیدؒ نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: حق بات کہو چاہے

اس میں تمہیں ہلاک کر دیا جائے کہ اسی میں تمہاری نجات ہے اور باطل کو چھوڑ دو چاہے اس میں تم بچ نکلو کہ اسی میں تمہاری ہلاکت ہے[90]۔

اس روایت سے استدلال یوں ہو گا کہ امام کاظمؑ نے حق بولنے کا حکم دیا ہے چاہے اس کی خاطر بڑا نقصان، ہلاک ہونا پڑ جائے اور باطل سے گریز کرنے کا حکم دیا ہے چاہے اس طرح کرنے سے تمہاری جان بھی بچ جائے۔اس روایت کو سابقہ روایتوں کے مفاد کے ساتھ جمع کرنے کا یہ نتیجہ ہو گا کہ اگر ضرر و ہلاکت برداشت کرنا اور تقیہ کی رخصت کو استعمال نہ کرنا جائز ہے اگر حق کا اقامہ اور حقیقت کی جیت ترک تقیہ پر متوقف ہو اور یہی مذکورہ روایت کا مفاد ہے کیونکہ روایت میں صرف لفظ حق کا تلفظ کرنا مقصود نہیں ہے اس لئے کہ صرف حق کی بات بولنے سے جان محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس میں تقیہ کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہاں پر مراد حق کا قیام کرنا ہے اس کو تحفظ دینا ہے لہذا اس موقع پر اگر تقیہ پر عمل کرنے سے حق کلی طور پر ضائع ہوتا ہے یا باطل سے مخلوط ہونے کا سبب بنتا ہے تو واجب ہے کہ تقیہ چھوڑ دیا جائے اور نقصان وضرر کو برداشت کیا جائے چاہے قتل وشہادت تک کی نوبت پہنچ جائے اس لئے کہ اسی میں نجات آخرت کارفرما ہے۔

تیسری حدیث :

جناب کلینیؒ نے امام محمد باقرؑ سے روایت کیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہو گا جو دوسرے ایسے گروہ کی پیروی کرے گا جو ریاکار ہوں گے[91] دین کا دکھاوا کریں

---

(90) اختصاص شیخ مفیدؒ: ص ۳۲۔

(91) دکھاوا کریں گے کہ وہ دین کے پابند ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ دیندار نہیں ہوں گے۔

گے قرائت قرآن ودعاوعبادت کریں گے نو عمر ہوں گے سفیہ وبیو قوف ہوں گے نہ امر بالمعروف کو واجب سمجھیں گے اور نہ نہی عن المنکر کو انجام دیں گے مگر بس اسی حد تک کہ وہ محفوظ رہیں اپنے لئے طرح طرح کے عذر وبہانے تراشیں گے، علماء کی لغزشوں کو اور ان کے غلط کاموں کے پیچھے پڑ جائیں گے روزہ، نمازاور وہ اعمال جس میں انہیں جانی ومالی نقصان نہیں ہو گا بڑے شوق سے انجام دیں گے [92]۔ اور اگر انکے اموال وارواح کو نماز نقصان پہنچارہی ہوتی تو وہ اسے بھی ترک کردیتے جس طرح کے انہوں نے شریف اور عظیم ترین عمل کو چھوڑ دیا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہ عظیم فریضہ ہے کہ جس کے ذریعہ واجبات و فرائض کا قیام ہوتا ہے اس موقع پر اللہ کا غضب ان پر انتہا کو پہنچ جائے گا اور وہ عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے اور نیک لوگ بھی دار فجار میں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بڑوں کے گھر میں ہلاک ہو جائیں گے امر بالمعروف و نہی عن المنکر انبیاء کی راہ، صلحاء کی روش اور وہ عظیم فریضہ ہے کہ جس کے ذریعہ دیگر واجبات برپا ہوتے ہیں راہیں پر امن ہوتی ہیں [93] ذریعہ معاش اور تجارتیں حلال ہوتی ہیں اور مظالم کی تردید ہوتی ہے اراضی آباد ہوتی ہیں دشمنوں سے انصاف ملتا ہے [94] امر الہی پائیدار ہوتا ہے جب ایسا ہو تو تمہیں چاہیئے کہ اپنے دل سے ایسی صورت حال سے نفرت کرو زبان سے اس کے خلاف بولو اور ایسے لوگون کے پیشانیوں پر مہر لگادو اور راہ خدا میں کسی ملامت کرنے

(92) یعنی وہ اعمال اور عبادتیں جو ان کو مالی اور جانی نقصان سے بچائیں گی انھیں انجام دیں گے اور ضرر و نقصان والے اعمال کو چھوڑ دیں گے۔

(93) احکام دین کی پابندی سے راستے بھی پر امن ہو جاتے ہیں۔

(94) ظالموں، دشمنوں کو سزادی جائے گی اور ان سے انتقام لیا جائے گا۔

والے کی ملامت سے نہ ڈرو اگر وہ تمہارے موعظہ سے پند حاصل کر کے حق کی طرف پلٹ آئے تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے" مضائقہ و الزام ان لوگوں پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں پھیلاتے ہیں انھیں لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے (95)" ایسے لوگوں سے اپنے جسموں کے ذریعہ جہاد کرو اور اپنے دلوں کے ذریعہ ان سے نفرت کرو نہ ظلم کے طلبگار رہو اور نا مال کے خواہاں اور نا ہی ظلم کے ذریعہ کامیابی کے طلب گار بنو یہاں تک کہ وہ لوگ امر الہیٰ کی طرف پلٹ آئیں اور اس کی راہ اطاعت پر گامزن ہو جائیں (96)۔

اس حدیث میں صریحی طور پر ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو بس اسی حالت میں انجام دیتے ہیں جب کہ انھیں کوئی نقصان و ضرر نہ ہو رہا ہو اور امام باقرؑ نے انھیں ریاکار، نو عمر، اور ایسا بے وقوف قرار دیا ہے کہ جو اپنے لئے طرح طرح کے عذر تراشتے ہیں اور علماء کی لغزشوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرر و نقصان کا برداشت کرنا اور وظیفہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے تقیہ کو چھوڑ دینا جائز ہے اس لئے کہ تقیہ اس وظیفہ پر صرف چند مقامات اور صورتوں میں حکومت رکھتی ہے نہ کہ ہر جگہ، کیونکہ دین کا قیام اور ظالموں اور منحرفوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اولیٰ و اہم ہے اور ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو احسن و اکمل طریقہ سے انجام نہ دیا جائے۔

---

(95) سورۂ شوریٰ: آیت ۴۲۔

(96) کافی: ج۵، ص۵۵۔

اور شاید یہ حدیث امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بلند ترین مرتبہ کی طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ جس کے لئے اس طرح کی عبارتیں وارد ہوئی ہیں "اس کے ذریعہ فرائض کا قیام ہوتا ہے، راہیں محفوظ ہوتی ہیں، معاش و تجارتیں حلال ہوتی ہیں مظالم کی تردید ہوتی ہے اراضی آباد ہوتی ہیں، دشمنوں سے انصاف ملتا ہے اور امر الہی پائیدار ہوتا ہے" اس لئے کہ یہ سارے امور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نیچلے درجات و مراتب کے ذریعہ محقق نہیں ہو سکتے اور جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بلند مرتبہ ہے جس کے ذریعہ دین کا قیام، حق و عدل کا احقاق وغیرہ وابستہ ہے وہاں تقیہ ساقط ہے کیونکہ ایسے مقامات پر تقیہ واقع میں امر و نہی کے وقوع سے تضاد رکھتی ہے لہذا ایسی جگہوں پر تقیہ کو ترجیح دینا مذموم ہے، مستحق غیض وغضب الہیٰ ہے اور عذاب کا باعث ہے اس لئے کہ ایسا شخص ایسے لوگوں کے دائرے میں آجاتا ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو وہیں انجام دیتے ہیں جہاں انہیں ضرر و نقصان سے تحفظ مل جاتا ہے۔

غلط تقیہ وہ اسلحہ ہے جس کو امام زمان علیہ اسلام کے خلاف استعمال کیا جائے گا!

اس حدیث شریف میں ایک اہم اشارہ بھی ملتا ہے کہ گزر زمان کے ساتھ تقیہ اپنی شرعی رخصت و اجازت سے بدل کر لا اعلاج بیماری بن جائے گی کہ جس کے ذریعہ دین کا شریف ترین وظیفہ امر بالمروف و نہی عن المنکر معطل ہو کر رہ جائے گا یہ ڈرپوک لوگ جن کی امام باقر علیہ السلام نے مذمت فرمائی ہے آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور وہ دین سے پیچھے ہٹیں گے تاکہ انہیں نقصان نہ اٹھانہ پڑے بلکہ وہ لوگ بقول امام باقر علیہ السلام کے اگر نماز بھی ان کے جان و مال اور مصلحتوں سے تضاد رکھتی تو اسے بھی ترک کر دیتے۔

یہ لوگ روزہ، نماز، حج، وغیرہ کے انجام دہی کے لئے اس لئے مستعد و تیار رہتے ہیں کہ انھیں ان اعمال وعبادات کی وجہ سے نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑتا لیکن وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے اس لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے انہیں نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا وہ اپنے خوف کو اور اپنے ڈر کو تقیہ کا نام دیکر فلسفہ جھاڑتے ہیں۔

اور یہ حالت بیماری آخری زمانہ میں مزید بڑھ جائے گی حضرت امام زمان علیہ السلام جب ظھور فرمائیں گے اور شیعہ کہلانے والے لوگوں سے نصرت کا مطالبہ کریں گے اور اپنے ساتھ ہم رکاب ہو کر جہاد کے لئے کہیں گے تو اس کا جواب ناکامی ہو گا اس کی وجہ یہی تقیہ کی پابندی ہے اس زمانہ میں تقیہ لوگوں کو اپنے آباواجداد اور ماؤں سے بھی زیادہ پیاری ہو گی اسی حقیقت کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے آشکار فرمایاہے آپ کا ارشاد ہے "تقیہ خون کی حفاظت کے لئے قرار دیا گیا ہے جب تقیہ کا مسئلہ خون تک پہنچ جائے تو تقیہ، تقیہ نہیں ہے خدا کی قسم تمھیں جب ہماری نصرت کے لئے طلب کیا جائے گا تو تم کہو گے ہم ایسا نہیں کر سکیں گے کیونکہ ہم حالت تقیہ میں ہیں اس وقت تقیہ تمھیں اپنے ماں باپ اور آباواجداد سے بھی پیاری ہو گی اور جب ہمارے قائم قیام فرمائیں گے تو اس طرح کا تم سے سوال ہی نہیں کریں گے بلکہ تم میں سے منافقین کی کثیر تعداد پر خدا کی حد جاری فرمائیں گے [97]۔

(97) تہذیب: ج٦، ص ١٧٢، یہ حدیث جناب ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے اور کاش اس زمانے کے شیعہ اس حدیث کو حفظ کر لیتے اور اس مضمون کو درک کرتے تاکہ انھیں اندازہ ہوتا کہ تقیہ کے نام پر وہ اپنے آپ کو کتنی بڑی مصیبت میں دال رہے ہیں۔

تقیہ کے نام پر سہل انگاری نہیں چلے گی

چوتھا مقام:

تقیہ کہ طور پر اس کی ضرورت کی تشخیص کہ بعد حرام کا ارتکاب کرنا مکلف کے ہاتھ میں ہے حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور صاحب تقیہ، مقام تقیہ سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے کہ کہاں اس کی ضرورت پیش آتی ہے؟[98]۔

مگر مکلف کے لئے بھی ضروری ہے کہ جواز تقیہ کے لئے سہل انگاری نہ کرے اس لئے کہ جہاں معتد بہ اور قابل ملاحظہ نقصان کا خطرہ نہ ہو یا خطرہ تو ہو لیکن اس خطرہ کو جھیل لینا شریعت نے لازم قرار دیا ہو تو اس جگہ تقیہ کرنا حرام ہے اور اس کے مطابق عمل پر عقاب ہو گا ٹھیک اسی طرح کہ جو شخص تیمم کر کے نماز پڑھتا ہے جبکہ پانی موجود ہو اور کوئی عزر بھی اسکے استعمال سے نہ ہو اس لئے مکلف پر لازم ہے کہ جواز تقیہ کے مقامات کو اچھی طرح درک کرے اور بخوبی غور کرے کہ جس چیز میں وہ مبتلا ہوا ہے وہ ان مقامات میں سے ہے کہ نہیں جہاں شارع نے تقیہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف سے بہت سی چیزوں سے ڈرایا گیا ہے[99]۔

---

(98) کافی: ج ۲، ص ۲۱۹۔ یہ حدیث جناب زرارہ سے مروی ہے۔

(99) کافی: ج ۲، ص ۱۶۸، اس روایت کا تقاضہ یہ ہے کہ آج جو لوگ نواصب اور دشمنان اہل بیتؑ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں اور انکی جی حضوری کے چکر میں عقیدہ تشیع پر نقص وارد کرتے ہیں وہ ہمارے نزدیک مذہب تشیع سے خارج ہیں مگر یہ کہ وہ

پہلا بیان:

شیخ کلینی مسعدہ بن صدقہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ سے سوال ہوا اس شخص کے ایمان کے بارے میں کہ کب اس کا حق ہم پر لازم ہے اور اس کے ساتھ بھائی چارہ ضروری ہو جاتا ہے اور کس طرح نیز کسی چیز سے ثابت ہو جاتا ہے اور کس چیز سے باطل ہو جاتا ہے؟ تو امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایمان دو طریقوں سے پتہ چلتا ہے ایک جہت یہ ہے کہ تمہارا ساتھی تم سے اس کا اظہار کرتا ہے پس جب تمہارے سامنے اس سے وہی چیزیں ظاہر ہوں جس کے تم قائل ہو تو پھر اس کی ولایت واخوت محقق ہو جاتی ہے مگر یہ کہ اس کی توصیف کے بر خلاف اس کے اندر وصف ہو اور وہ اس کا تم سے اظہار بھی کر دے پس اگر وہ ایسا عمل بجالائے کہ جس کے ذریعہ وہ تمہارے سامنے ظاہر کردہ ایمان وعقیدہ کے خلاف نظر آئے اور وہ اس کے بر خلاف عقیدہ رکھتا ہو جو اس نے تمھارے سامنے ظاہر کیا ہے مگر یہ کہ وہ تم سے کہے کہ تقیہ کے تحت اس نے ایسا کیا ہے پس اس صورت میں ان کے اوپر نظر کی جائے گی ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ جس میں وہ تقیہ کا دعویدار ہے آیا اس میں تقیہ قابل قبول ہے کہ نہیں کیونکہ تقیہ کے کچھ مواقع ہیں جو اسے اس کی جگہ سے ہٹائے گا تقیہ اس کے لئے صحیح وپائیدار نہیں ہو گا!

ثابت کریں کہ جو ان سے صادر ہوا ہے وہ یقیناً اور شرعی طور پر مقبول تقیہ تھا اور وہ بھلا کیونکر ثابت کرسکتے ہیں خدا انکے چہروں کو سیاہ کرے۔

دوسرا بیان:

حضرت امام حسن عسکریؑ اپنی تفسیر میں امام علی بن الحسین زین العابدینؑ سے ایک طولانی روایت کرتے ہیں کہ جس میں آپ نے فرمایا ہے "ان حالات میں جس نے ہمارے فضائل کو چھپایا اور ہمارے حقوق کا انکار کیا اور ہمارے نام و القاب سے دوسروں کو پکارا اور ہمارے حقوق کو غصب کرنے میں ہمارے ظالموں کی مدد کی اور ہمارے دشمنی کو ہمارے خلاف مائل کیا حالانکہ نہ تقیہ اسے پریشان کر رہا ہے اور نہ ہی جان و مال اور برے حالات کا خوف اسے ایسا کرنے پر ابھارتا ہے اے گروہ شیعیان اللہ کا خون کرو پستی کی روش نہ اپناؤ تمہارے اوپر تقیہ حرام ہے ہجرت بھی اختیار نہ کرو اور تقیہ بھی تمھیں اس سے منع کرتی ہے [100]۔

تیسرا بیان:

حضرت امام حسن عسکریؑ اپنی تفسیر میں حضرت امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ

---

(100) تفسیر امام حسن عسکریؑ: (الھوینا) در حقیقت الھون کا مونث اور صیغۂ تصغیر ہے اور یہاں اس کا معنی ذلت و رسوائی ہے اور المھاجرہ کا مطلب قول و فعل میں دشمنی و نزاع کا پایا جانا ہے اس تفسیر میں ہمیں ناصبیوں، دشمنوں اور مخالفین کی کسر شان کی خاطر باطل تقیہ سے ڈرایا گیا ہے کیونکہ اہم دینی مقاصد حاصل کرنا مقصود ہے اس بیان سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ امامؑ کلی طور پر اور خاص طور سے زمانۂ غیبت کے آغاز میں تقیہ کے نام پر ذلت و رسوائی اور ہار و شکست کے خریداروں سے کس قدر دل برداشتہ تھے اور قلق و اضطراب میں مبتلاء تھے اسی لئے آپ نے اپنے آباء طاہرین سے روایت کرتے ہوئے اس طرح ڈراتے ہوئے نظر آتے ہیں تاکہ تقیہ کا عنوان دے کر شیعہ لوگ پستی میں نہ گر جائیں اور ہمیشہ عزت نفس کے حامل رہیں مخالفوں، ناصبیوں اور دشمنوں کے سامنے عزت نفس محفوظ رکھیں اور حق بیانی میں کسی کا بھی خوف دل میں نہ لائیں اس تفسیر کے بارے میں جو کہ امام عسکریؑ سے مروی ہے اعتبار و عدم اعتبار کی گفتگو کا یہاں موقع نہیں ہے ہم نے تفصیل سے اپنی تقریروں میں اس پر گفتگو کی ہے۔

میں نے جناب رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جس سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہو اور وہ اسے ایسی جگہ پوشیدہ رکھے جہاں اس کا اظہار واجب تھا اور تقیہ کا محل بھی نہیں تھا تو ایسا شخص قیامت کے دن آگ کے لگام میں مقید میدان محشر میں وارد ہو گا[101]۔

چوتھا بیان :

حضرت امام حسن عسکریؑ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت امام رضاؑ نے اپنے شیعوں اور چاہنے والوں کو ملاقات سے منع کر دیا اور انہیں کئی روز تک باریابی کا شرف نہیں بخشا تو ملاقات کے وقت ان لوگوں نے امامؑ سے عرض کیا اے فرزند رسولؐ! ہمارے ساتھ اتنی بڑی زیادتی، اس قدر سختی کے ساتھ ہم سے پردہ! اس سے بعد ہمارے لئے کون سی عزت باقی رہ گئی ہے، تو امام رضاؑ نے جو جواب ان کو دیا ہے وہ یہ تھا، یہ اس لئے کہ تم نے اپنے آپ کو حضرت امیر المومنینؑ کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے، وائے ہو تم پر امیر المومنین علیؑ کے شیعہ تو امام حسنؑ و امام حسینؑ، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار یاسر، محمد بن ابی بکر تھے کہ جنہوں نے امیر المومنینؑ کے فرامین کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی ان کی منع کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا لیکن تم لوگ اگر یہ کہتے ہو کہ ہم امیر المومنینؑ کے شیعہ ہیں اور تم اکثر اعمال و کردار میں ان کی

---

(101) تفسیر امام عسکریؑ: ص۳۱۹، ہمیں بہت برا لگتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مومنین جو مغربی ملکوں میں رہتے ہیں اور حق کا کتمان کرتے ہیں جب ان سے کچھ حرج والے سوال جیسے کہ ابو بکر، عمر اور عائشہ لے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو تقیہ کرتے ہیں جب کہ ان ملکوں میں تقیہ کا کوئی موقع و محل نہیں ہے حتی کہ بہت سے عربی ملکوں میں بھی تقیہ کا موقع و محل نہیں ہے میں نے اپنے لئے قطعاً یہ جائز نہیں سمجھا جبکہ میں ان ملکوں میں تھا اور میرے لئے آشکار ہو چکا تھا کہ تقیہ کا موقع نہیں ہے حالانکہ مجھے گرفتار کر لیا گیا جیل میں ڈال دیا گیا۔

مخالفت کرتے ہو بہت سے فرائض وواجبات میں کوتاہی کرتے ہو اور اپنے دینی بھائیوں کے عظیم حقوق میں سستی کرتے ہو اور وہاں تقیہ کرتے ہو جہاں تقیہ واجب نہیں ہے اور وہاں تقیہ نہیں کرتے ہو جہاں تقیہ کرنا ضروری اور لازم ہے(102)۔

بہر حال تقیہ کے مواقع اور بہت سے شروط ہیں لہذا کسی صورت حرام کا ارتکاب کرنے کے لئے یا خلاف شرع اعمال انجام دینے کے لئے تقیہ کو جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کو بنیاد بنا کر دین، تشیع کو منہدم کیا جا سکتا ہے اور نہ شیعیت کے پابر جا عقائد سے پیچھے ہٹا جا سکتا ہے اور نہ ہی تقیہ کے نام پر اہل بیت طاہرینؑ کی ہتک حرمت کی جا سکتی ہے یہاں تک کہ تقیہ کے نام پر مومن اپنی توہین و تذلیل کا حق نہیں رکھتا ہے حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے وارد ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے سارے امور مومن کے سپرد کر دئے ہیں لیکن اس کے سپرد یہ نہیں کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کرے کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ "اور ساری عزت و شوکت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور تمام مومنین کے لئے ہے" (103)۔ لہذا مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ عزت دار بنا رہے اور ذلیل ورسوا نہ ہو اللہ عزوجل اسے ایمان واسلام کے ذریعہ عزت عطا کرتا ہے(104)۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ مومن کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ تقیہ کرنے کی مجبوری پیش نہ آئے بلکہ خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ اسے اس قسم کی مجبوریوں کے در پیش ہونے سے محفوظ

---

(102) تفسیر امام عسکریؑ: ص ۳۱۳، وسائل الشیعہ حر عاملی: ج ۱۶، ص ۲۱۷۔

(103) سورۂ منافقون: آیت ۹۔

(104) کافی: ج ۵، ص ۶۳۔

رکھے اسی لئے ہم حضرت امام مہدی علیہ السلام سے وارد دعا میں پڑھتے ہیں کہ پالنے والے ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جنہیں تیری مخلوقات سے تقیہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی[105]۔

احادیث تقیہ کی تفہیم میں ہوشیار!

اس مقام پر چند چیزوں کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ بہت سے ڈرپوک اور شکست خوردہ لوگوں کو بعض احادیث و شرعی متون مل گئے ہیں جن میں تقیہ کی پابندی پر تاکید ہے جو تقیہ کو اپنا شعار نہ بنائے وہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو تقیہ نہیں کرتا ہے اور ہم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محترم و مکرم وہ ہے جو سختی کے ساتھ تقیہ کا پابند ہے اور دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ میں ہے اور تقیہ حسنہ اور نیکی ہے اور تشہیر و اشاعت، برائی ہے اسی طرح کی متعدد روایات تقیہ کی پابندی پر ابھارنے اور ترغیب دلانے والی موجود ہیں یہ لوگ انھیں احادیث کے ذریعہ سادہ لوح انسانوں کی عقلوں کو نشہ میں ڈال دیتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو باور کرادیں کہ دیکھو ان احادیث سے تقیہ پر ہر زمانے میں اور ہر جگہ عمل کرنا واجب ہے اور تقیہ ہی اصل ہے اور اس میں کوئی استثناء یا چھوٹ نہیں ہے۔

---

(105) مصباح المتہجد شیخ طوسی: ص ۴۱۵، البلد الامین ابراہیم کفعمی: ج ۱، ص ۳۰۸۔

جبکہ آپ کے سامنے واضح ہے کہ یہ روایات اپنے خاص حالات میں صادر ہوئی ہیں ایسی گھٹن کی فضاؤں میں کہ جن میں تقیہ کے علاوہ کوئی چارہ کار تھا ہی نہیں ورنہ زندگی اجیرن ہو جاتی اور دین و اہل دین کی حفاظت نہ ہو پاتی لیکن آج جب کہ بحمد اللہ وہ گھٹن کے حالات اور تنگ فضائیں ختم ہو گئی ہیں تو تقیہ کی بھی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ آپ کے سامنے دوسرے بعض نصوص اس مسئلہ پر تائید کرنے والے گزر چکے ہیں۔

لیکن کیا کیا جائے ڈرپوک لوگ آج بھی لوگوں کے دماغوں کو تقیہ کے ایک پہلوں کے ذریعہ دھلتے جارہے ہیں اور دوسرے پہلو پر کوئی توجہ نہیں کرتے وہ احادیث میں سے اپنے مقصد کی احادیث نقل کرتے ہیں اور دوسری قسم کی روایات کو چھپا لیتے ہیں اور پھر انھیں روایات کو بنیاد بنا کر علمی اصولوں کے بر خلاف احکام و قواعد تراش لیتے ہیں جبکہ اگر ہم ہر حدیث کو لیکر اس کے ظاہری معنیٰ سے احکام اخذ کرنا شروع کر دیں اور ان روایات کے انگیزۂ صدور پر توجہ نہ دیں تو ہم یقیناً دین خدا کو کلی طور پر الٹ پلٹ دینے کے مرتکب ہو جائیں گے۔

آپ ایک مثال ملاحظ فرمائیں کے جو پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "خبر دار حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کا ذکر نہ کرو کہ لوگوں کے نزدیک ذکر علیؑ و فاطمہؑ سے زیادہ ناپسندیدہ شئ کوئی ہے ہی نہیں "[106]۔

تو کیا اس حدیث کے ظاہری معنی کو اخذ کرنا صحیح ہے کیا ہم لوگوں کے سامنے ذکر علیؑ و فاطمہؑ کو حرام قرار دے سکتے ہیں کیا ہم ہر مجلس و محفل جو ان بزرگواروں کے ذکر کی خاطر برپا ہوتی

(106) کافی: ج ۲، ص ۱۵۹۔ وسائل الشیعہ ابواب تقیہ حدیث عنبسہ۔

ہیں ہر خطبہ، ہر کتاب، ہر کوشش کہ جس میں فضائل مرتضیٰ و فاطمۃ الزہراء صلوات اللہ علیھا ہوتا ہے اس سے روک سکتے ہیں، ہر گز نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث شریف خاص حالات میں گھٹن کے ماحول میں صادر ہوئی ہے کہ جس ماحول میں تقیہ کی پابندی کرنا بہت ضروری تھا اسی لئے ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے شیعوں کو تقیہ کی پابندی کا حکم دیتے تھے یہاں تک کہ نام علیؑ و بتولؑ کے لینے میں بھی تقیہ کرنے کا حکم تھا لیکن آج بحمد اللہ وہ خطرات ٹل گئے ہیں لہٰذا ان بزرگواروں کا نام لینا ان کا تذکرہ کرنا منع نہیں ہے تو حکم بدل گیا اور مستحب ہو گیا ہے۔

بالکل یہی صورت حال احادیث تقیہ کی ظالموں کے کرتوت کو برملا کرنے اور اس کی نشرو اشاعت سے منع کرنے والی روایات کی ہے یہ روایات بھی ان سخت حالات سے مقید ہیں لہذا ان احادیث کو بنیاد بنا کر تقیہ کو واجب کرنا اور اس قسم کے احکام کو مترتب کرنا ہر گز صحیح نہیں ہے جیسا کہ شکست وہار کے مرض میں مبتلا لوگ کر رہے ہیں ان کے دلوں میں مرض ہے خوف اور شکست خوردگی کا مرض ۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ تقیہ ختم نہیں ہوتا بلکہ گذشتِ زمان کے ساتھ اس کا حکم اور سخت وشدید ہو جاتا ہے جیسا کہ علامہ کلینی نے محمد بن مسلم کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا: " جتنا جتنا یہ امر ظہور امام زمانؑ نزدیک تر ہوتا چلا جائے گا تقیہ کا حکم بھی شدید تر ہوتا چلا جائے گا "[107]، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ روایت میں مراد یہ ہے کہ مجموعی طور پر تقیہ کی ضرورت شدید تر ہو جائے گی نہ یہ کہ ہر آنے والے زمانے میں سابقہ زمانہ

---

(107) کافی: ج ۲، ص ۲۲۰۔ امر سے مراد ظہور امام زمانؑ ہیں۔

سے تقیہ کی شدت بڑھتی رہے گی یہ مراد نہیں ہے کیونکہ مثلاً ہمارے زمانے میں اصلاً تقیہ کا شرعی جواز ہی نہیں ہے بلکہ اجمالی طور پر اس کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے آج کے بعد ایسازمانہ آئے کہ جس میں تقیہ کی ضرورت ہو اس کا جواز ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسازمانہ آئے جن میں اس کا جواز نہ ہو، ہاں یہ ضرور ہے حضرت حجتؑ کے ظہور سے جس قدر زمانہ قریب تر ہوتا چلا جائے گا مجموعی طور پر تقیہ کی ضرورت زیادہ بڑھتی چلی جائے گی لیکن اسکا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ حکم تقیہ مطلق طور پر کسی دور یا زمانہ میں مرتفع نہیں ہو گا روایت کا ایسا معنیٰ کرنا ہر گز صحیح نہیں ہے اس کے علاوہ ظہور امامؑ سے بالکل قریب زمانہ میں تو اجمالی طور پر بھی تقیہ ختم ہو جائے گا اسی لئے خراسانی یمانی وغیرہ علانیہ طور پر حق کا مطالبہ کرنے کے لئے قیام کریں گے اور ان لوگوں کا خروج تقیہ کی نفی اور اس کے خاتمہ کی علامت ہو گا اس لئے کہ اگر تقیہ کا حکم ختم نہ ہو گا تو وہ خروج ہی نہ کرتے ان کا خروج بھی حرام ہوتا اور روایات میں ان کی حمد و ثنا کے بجائے تائید و ہدایت کے بجائے مذمت کے مستحق ہوتے۔ اس بات کے ضمیمہ سے آپ کے سامنے روایت مذکورہ کا مقصود واضح ہو گیا ہو گا کہ تقیہ کی شدت کا مطلب پے درپے اس کی سختی مراد نہیں ہے بلکہ حالات کے پیش نظر ٹکڑے ٹکڑے زمانوں میں اس کی ضرورت کا بڑھنا مقصود ہے۔

اس کے علاوہ یہ روایات، غیبیات اور مستقبل سے متعلق ہیں ان کا احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا اس سے کسی حکم کا استفادہ نہیں کیا جا سکتا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان روایات کی پابندی کریں جن میں حکم تقیہ ذکر کیا گیا ہے اور ان میں موجود شروط و قیدوں کا لحاظ رکھیں اگر وہ شروط و حالات اور قیود پائے جاتے ہوں تو ہمارے اوپر بھی تقیہ واجب ہے لیکن اگر وہ شروط موجود نہ ہوں تو ہمارے اوپر تقیہ حرام ہے اور یہی ہماری شری ذمہ داری ہے ۔

اس طرح کی روایات سے تقیہ کے اثبات کی کوشش بڑی مشابہت رکھتی ہے ان روایات سے کہ جن میں عدل و انصاف کے قیام کو منع کیا گیا ہے کہ اس وقت تک امام کا ظہور نہیں ہو گا جب تک کہ روئے زمین ظلم ستم سے پر نہ ہو جائے اور دونوں کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے ۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جناب صدوقؒ نے حضرت امام علی رضا علیہ اسلام سے روایت کی ہے کہ جس کے پاس تقویٰ و پرہیز گاری نہیں اس کے پاس دین نہیں ہے اور جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس ایمان نہیں ہے اور تم میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک مکرم و محترم وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل پیرا ہے، عرض کیا گیا اے فرزند رسول خداؐ: ایسا کب تک ؟ تو امام نے فرمایا: "وقت معلوم کے دن تک اور وہ دن ہم اہل بیتؑ کے قائم کے ظہور کا دن ہے لہذا جو شخص ہمارے قائم کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کر دے وہ ہم میں سے نہیں ہے "اس روایت کا مطلب ہے کہ ظہور قائم علیہ السلام سے پہلے مطلق طور پر تقیہ واجب ہے (108)۔

ہمارا جواب یہ ہو گا کے وجوب تقیہ مطلق طور پر ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے جبکہ واضح ہو چکا ہے کہ بعض موارد میں تقیہ حرام ہے بعض جگہ مکروہ اور بعض جگہ مباح ہے لہذا اس روایت کو اور اس کے مانند روایات کو اس مطلب پر حمل کیا جائے گا کہ حضرت مہدی علیہ اسلام کے ظہور سے پہلے واجب تقیہ کو ترک کرنے والا ان بزرگواروں میں سے نہیں ہے نہ کہ مستحب تقیہ کو یا مباح یا مکروہ تقیہ کو چھوڑنے والا ان میں ہے نہ ہو۔

---

(108) کمال الدین و تمام النعمۃ: ص ۳۷۱۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ جب بھی موضوع و محل تقیہ موجود ہو اور اس میں مفسدہ کا دفع کرنا وجوب کی حد تک پہنچ گیا ہو تو ایسے موقع پر تقیہ واجب ہے اور اس کا ترک کرنا حرام ہے اور یقیناً ایسی صورت میں تقیہ کو جان بوجھ کر ترک کرنے والا فعل حرام کا مرتکب ہو گا اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایسا شخص ان بزرگواروں میں سے نہیں ہے ۔

اس کے علاوہ ایسی روایت کا ظاہری معنی یہ بتلاتا ہے کہ حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ کے ظہور سے پہلے خروج و قیام کرنے سے منع کرنا مقصود ہے اس لئے کہ جو شخص ائمہ طاہرینؑ کی روایات سے واقفیت رکھتا ہے اور ان کے معانی کا ذائقہ چکھ چکا ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ ائمہ طاہرینؑ نے تقیہ کو خروج سے متصل کرتے ہوئے گویا مقابلہ و موازنہ کے طور پر ذکر کیا ہے اس لئے کہ بیگانہ لوگ ہماری صفوں میں داخل ہو کر فوجیں تیار کرتے تھے اور رضائے آل محمدؐ کا نعرہ دے کر لشکر تیار کرتے تھے جبکہ ان کا ہدف حکومتوں کو گرا کر اس کے واقعی حقداروں یعنی اہل بیتؑ کے ہاتھوں میں دینے کا دعویٰ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان حکومتوں کو گرا کر خود اپنے قبضہ میں لانا ہوتا تھا جیسا کہ بنی عباس نے بنی امیہ کے ساتھ کیا اور بہت سے شیعہ ان نعروں کے دھوکے میں آگئے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان لیڈروں کو ائمہ طاہرینؑ نے منصوب کیا ہے تا کہ وہ ان مشکلات کو حل کر سکیں اسکے علاوہ بعض بیگانے شیعوں کی صفوں میں داخل ہو کر مہدویت کے دعویدار ہوئے جیسے محمد بن عبد اللہ محض وغیرہ اور مقابل میں ائمہ طاہرینؑ اپنے شیعوں کو ایسے دعویداروں سے ڈراتے رہتے تھے اور ان کے باطل دعووں اور خیالوں کو یہ کہہ کر باطل کرتے تھے کہ ابھی صاحب امر ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور اس قسم کی حکومتوں کے خلاف قیام میں تقیہ سے کام لیں کیونکہ حکم تقیہ امام زمانہؑ کے ظہور تک باقی رہے گا اور یہ لوگ شیعوں میں داخل ہو کر

ان کے نقصان میں قیام کر رہے ہیں اس بنیاد پر اس روایت کا اور اس جیسی دیگر روایات کا معنی یہ ہو گا کہ ظالم حکومتوں کے خلاف فوجی قیام کے حوالے سے تقیہ ترک کرنے والا اور ائمہؑ کے حکم کے بغیر قیام کرنے والا ائمہ طاہرینؑ میں سے نہیں ہے لیکن اگر ان بزرگواروں کے حکم سے اور ان کی اجازت کے ہمراہ قیام وانقلاب برپا کیا جائے تو اس مقام پر تقیہ واجب نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ڈرایا گیا ہے اور نہ ہی اس جگہ پر مذمت وارد ہوئی ہے اور اسی معنی کی طرف ابن ادریس کی وہ روایت اشارہ کرتی ہے جس میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے میں اور میرے شیعہ اس وقت تک بخیر و عافیت زندگی بسر کرتے رہیں گے جب تک کہ کوئی نہ کوئی آل محمدؑ میں سے خروج و قیام کرتا رہے گا اور میں پسند کرتا ہوں کہ آل محمدؑ میں سے کوئی خروج کرے اور اس کے اہل و عیال میرے ذمہ ہے اور اس طرح جناب زید بن علیؑ کے قیام کو صحیح ٹھہرایا جا سکتا ہے جن کے نزدیک ان کا قیام صحیح تھا اسی طرح فقہاء جامع الشراط کی طرف سے زمانہ غیبت میں حکومت کے قیام کو صحیح ٹھہرایا جا سکتا ہے اس اعتبار سے وہ حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی طرف سے عمومی طور پر قیام حکومت کی عام اجازت رکھتے ہیں لیکن غور فرمائیں۔

بہر حال اہل علم و دانش اور صاحبان تحقیق کے سامنے یہ بات آشکار ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے اقوال "جس کے پاس تقیہ نہیں ہے اس کے پاس دین نہیں ہے جس پاس تقیہ نہیں ہے اس کے پاس ایمان نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حکم تقیہ کے شرعی طور پر وجود کا معتقد نہیں ہے اس کے پاس دین و ایمان نہیں ہے نہ یہ کہ جو تقیہ پر عمل نہ کرے اس پاس دین و ایمان نہ ہو بھلے ہی تقیہ کا موضوع یعنی ضرر و نقصان کا محل نہ ہو یہیں سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ امامؑ کے ارشاد: "جو ہمارے قائم کے ظہور سے پہلے تقیہ چھوڑ دے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے" اس

قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس دعوے کے ساتھ کہ ظہور قائم سے پہلے حکم تقیہ مرتفع ہو چکا ہے اور پھر واجب تقیہ کو چھوڑ دے تو یقیناً ائمہ طاہرین علیہم اسلام سے نہیں ہے کیونکہ صدر روایت کے ضمیمہ کے بعد جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس ایمان نہیں ہے اور خروج قائم سے پہلے کی قید کے ساتھ مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ حکم تقیہ ظہور کے وقت مرتفع ہو جائے گا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں ۔

لہذا مذکورہ روایت میں حکم تقیہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے نہ کہ موضوع تقیہ کی طرف اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب جب موضوع تقیہ محقق ہو گا حکم تقیہ باقی رہے گا اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں روایت کا تعلق خاص اس مقام سے ہے جہاں ائمہ طاہرینؑ کی اجازت کے بغیر قیام کیا جائے اور تقیہ کو ترک کر دیا جائے اس معنی پر روایت مذکورہ کو حل کرنا قوت سے خالی نہیں ہے بہر حال یہ دعویٰ باطل ہے کہ مطلق طور پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تقیہ واجب ہے اور قیام آل محمدؐ سے پہلے تقیہ واجب ہے کیونکہ اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔

خلاصہ کلام :

گزشتہ بحث کی روشنی میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ تقیہ ایک قسم کی رخصت واجازت ہے تا کہ کسی بھاری نقصان سے بچنے کے لئے حرام کام کا ارتکاب کر لیا جائے اور یہ ہمیشہ واجب نہیں ہے بلکہ اس کے موضوع اور محل کے اختلاف سے اس کا حکم بدلتا رہتا ہے اور کسی موقع و محل پر

تقیہ کا حکم لاگو ہو گا یا نہیں اس کا تعلق تقیہ پر مترتب ہونے والے آثار و مصالح ومفاسد سے ہے
کہ اگر ضرر و نقصان کا پلڑا بھاری ہو تو تقیہ ہو گا ورنہ نہیں ۔

روایات کی دلالت سے یہ بات بھی مخفی نہیں رہی کہ تقیہ کی تشریع میں بنیادی حکمت
حیات امامؑ کی حفاظت ہے یا پھر مومنین کو فنا ہونے سے بچانا ہے تاکہ دین الہیٰ مٹنے نہ پائے ۔

گزشتہ بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تقیہ کی طرف سے ہمارے سامنے کوئی شرعی
رکاوٹ بھی نہیں کہ ہم اپنے رافضی اسلوب کا اظہار نہ کریں اس لئے کہ آج کل یہ قضیہ تقریباً
سالبہ بانتفاء موضوع ہے یعنی جب ہم نا قابل برداشت ضرر سے روبرو نہیں ہیں اور نہ ہی دوسروں
کو نا قابل برداشت ضرر پہنچا رہے ہیں اور خاص طور سے آج کی دنیا میں جہاں ذرائع ابلاغ کی کثرت
اور نشریات و اخبارات کی وجہ سے دنیا ایک آزاد دیہات کی شکل اختیار کر گئی ہے اور آج حساس
سے حساس تر موضوعات اور نظریات کھلے عام بیان ہو رہے ہیں اور رد عمل کے طور پر کچھ معمولی
یہاں وہاں کی پریشانیوں کے علاوہ دیکھنے کو نہیں ملتا ہاں زبردستی کے بعض مظاہرے ہوتے ہیں اور
کچھ تصویروں کو پھاڑ دیا جاتا ہے یا پتلا بنا کر پھونک دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد کاروبار حیات عادی
طور پر چلنا شروع ہو جاتا ہے اور جو کچھ کل حادثہ ہوا ہے اسے گذری ہوئی باتیں خیال کر لی جاتی
ہیں اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ گویا یہ واقعہ صدیوں پہلے واقع ہوا تھا یہ ہے آج کی دنیا کا قانون، پھر
اس صورت حال میں کسی مبالغہ سے کم نہیں ہو گا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ روش تبلیغ اور اسلوب
بیان حادثہ کا سبب بنے گا اور اس اسلوب کو ساقط اور ناکام بنانے کے لئے بہت سے لوگوں نے کافی
کوششیں کی ہیں لیکن وہ ناکام رہے اور کوئی قابل التفات کام نہیں کر سکے ہیں ۔

آپ کو ایک مثال اور نمونہ دیتا ہوں جب ہم نے اس صدی کی سب سے خطرناک کتاب "الفاحشة الوجه الآخر لعائشة "نشر کی جب کہ حالات کو بہت زیادہ گرما دیا گیا تھا کیونکہ ہم نے انہیں دنوں ۱۷ رمضان ۱۴۳۱ھ کو عائشہ کی ہلاکت کے دن پہلی بار جشن منایا تھا اور ہماری قوم کے بہت سے ڈرپوک لوگ بہت گھبرائے ہوئے تھے جبکہ کئی جہتوں سے ضرر کا موضوع ہی نہیں تھا ان میں سے ایک یہی کہ اس کتاب کی اجمالی معلومات آج مسلمانوں کی اکثریت کے پاس موجود ہے یعنی تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ ان کی اکثریت یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ شیعہ لوگ عائشہ پر لعنت کرتے ہیں اور یہ وہ بات ہے جو ان کے درمیان بار بار دشمنی کے عناصر بڑھانے اور بھڑکانے کے لئے رائج ہے لہذا یہ کتاب ان کے درمیان انکی اجمالی معلومات کے تحت کوئی خاص اور اچانک رونما ہونے والا موضوع نہیں ہوگا بلکہ اگر اس مسئلہ میں ان کے درمیان کوئی شبہہ بھی پایا جارہا ہوگا تو دور ہو جائے گا تاکہ انہیں پتہ تو چلے کہ ہم کیا کہتے ہیں اور ہمیں وہ کن چیزوں میں زبردستی متہم کرتے ہیں اوراس اساسی فرق کو ہم نے اس کتاب میں باقاعدہ بیان کر دیا ہے اور اس طرح یہ کتاب دہشت گردی یا جرم و تشدد کی طرف نہیں لے جائے گی بلکہ ان کی اپنی اجمالی معلومات کی تفصیل میں بدل جائے گی اور ان کے ذہنوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو جائے گا کہ یقینا شیعہ لوگ حمیرا کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ وہ لوگ چیخیں گے چلائیں گے اور بھونکیں گے اور ایسا ہوا بھی ہمیں اس کی توقع بھی تھی لیکن اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں کر سکے ۔

نفی ضرر کی جہتوں میں سے ایک یہ بھی سن لیں کہ اس کتاب نے عائشہ پر لعنت کے مسئلہ کے علاوہ دیگر اختلافی مسائل سے بڑی حد تک حساسیت کو ختم کر دیا ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ

اگر دلیل وبرہان کے ذریعہ پیش نہ کیا جاتا اور اسی طرح کتمان وخفیہ رکھا جاتا تو مخالفین کو اور زیادہ دہشت گردی اور شدت سے دشمن بنا تا رہتا کیونکہ ان کے سامنے مسئلہ مبہم رہتا لیکن اس کی وضاحت کے بعد خدا ان کو ہدایت دے گا اور وہ اپنا موقف اور عقیدہ کی تصحیح کر سکیں گے اور بحمد اللہ ایسا ہوا بھی کیونکہ اس کتاب کی نشر واشاعت سے بہت سے لوگ شیعہ ہو گئے اور خاص طور سے جامع الازہر کے بعض لوگ ،اور اگر ہدایت یافتہ نہ بھی ہوں اور اپنا موقف وعقیدہ ٹھیک نہ بھی کریں تو صرف دلیلوں اور براہین کے پیش کرنے کے بعد کم از کم یہ مسئلہ جنگ وجدال سے نکل کر علمی میدان میں تو آ گیا اور پھر اس پر نقد وتنقید اور آراء کے تبادل کے ساتھ مسئلہ ہی عادی بن جائے گا اور اس مسئلہ کے عادی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اردگرد جو حساسیت تھی ختم ہو جائے گی اور پھر اس مسئلہ (لعن عائشہ کا جواب) سے حساسیت ختم ہو جانے کے ساتھ اس سے کم درجہ کے حساس اور اختلافی مسائل سے حساسیت خود بخود کم ہو جائے گی یہ پھر مسئلہ اور اس جیسے مسائل دہشت گردی وفتنہ بھڑکانے والے مسائل ہی نہیں رہ جائیں گے اور اس کے نتیجہ میں ضرر منتفی ہو جائے گا۔

نفی ضرر کی جہتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فی الحال جو جنگ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں اور ان کے مخالفین کے درمیان جاری ہے خاص طور سے عراق، پاکستان میں جہاں خون کی ہولیاں کھیلی جاتی ہیں اس جنگ سے ثابت کر دیا ہے کہ میدان فکر وعقائد میں چاہے بحث ومناظرہ کا اقدام ہو یا سکوت اختیار کر لیا جائے دونوں برابر ہے یعنی شیعہ خاموش رہیں اور مخالفین کے سرابر ہوں پر طعن وتشنیع نہ کریں تب بھی وہ شیعوں پر ظلم وستم اور قتل وغارت سے باز نہیں آئیں گے بلکہ جواب نہ دینے اور سکوت اختیار کرنے سے ان کا حوصلہ اور بڑھ جائے

گا اور وہ شیعوں کے حق میں مزید جرم وجنایت کے مرتکب ہوں گے اور یہی صورت حال اقدام کرنے اور دلیل وبرھان کے ساتھ جوابی کاروائی کرنے میں بھی رہے گی اور وہ قتل وغارت اور شیعوں پر ظلم وستم سے باز نہیں ائیں گے مگر یہ کہ بسااوقات دفاعی اقدام اور استعداد کے پیش نظر اور یہ کہ مقابلہ بمثل ہوگا ذرا سوچ سمجھ کر سامنے آئیں گے یا باز رہیں گے بہرحال یہ طے ہے کہ موجودہ جنگ اس واسطے نہیں شروع ہوئی ہے کہ شیعہ لوگ ابوبکر، عمر پر لعن طعن کرتے ہیں بلکہ اس جنگ وخون ریزی کی وجہ یہ پیچیدہ سیاسی اقلیمی مسائل اور بحران ہیں جو انقلاب ایران اور سقوط شاہ سے وجود میں آئے ہیں اسی کے بعد عراق، ایران جنگ ہوئی پھر لبنان کی خانہ جنگی پھر اکویت کی جنگ، پھر امیریکہ کی دخالت، پھر انتفاضۂ شعبانیہ، پھر انتفاضۂ بحرین، پھر صہیونیوں کے انخلاء کے بعد لبنان میں حزب اللہ کی چیرہ دستی، پھر شام میں شیعوں کا قیام، پھر افغانستان میں طالبان کا خاتمہ، پھر یمن میں حوثیوں کی سرکشی، پھر عراق میں بعثیوں کا خاتمہ، پھر مغربی عرب ممالک میں شیعوں کا پھیلاؤ... یہ وہ پلیٹ فارم ہیں جن کے سبب اس علاقہ میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور شیعوں سے لڑی جانے والی ان تمام جنگوں کا مقصد واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ حکومت حاصل نہ کرسکیں اور ملکوں اور اقلیموں پر ان کی دھاک نہ بیٹھنے پائے جہاں ان کی اکثریت ہے اور ان کے قدموں تلے کائنات کے بڑے بڑے تیل کے کنویں ہیں اس لئے کہ اگر ایسا ہوگیا اور شیعہ لوگ حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو شیعہ ہی کائنات کے سربراہ ومولیٰ اور آقا ہوجائیں گے اور وہ بہت ہی رفاہ وآسائش کی زندگی بسر کریں گے اور ان کے مخالفین جنہوں نے شیعوں کے خون اور جسموں کے ٹکڑوں پر صدیوں سے حکومت کی ہے حکومت اور آسائش سے محروم ہوجائیں گے۔

اس گھمسان کی جنگ میں شیعوں کو ہی ہدف قرار دیا جاتا ہے چاہے وہ خاموش رہیں یا اپنی فریاد بلند کریں جوابی کاروائی کریں یا چپ بیٹھیں اور اس کی سب سے بڑی مثال یقینا شیعیان عراق کی ہے کہ جب سے بکری، بعثی، صدامی نظام درہم برہم ہوا ہے تب سے لیکر آج تک کیا کیا واقعات شیعوں کے ساتھ پیش آئے ہیں اس لئے کہ یہ مقولہ مشہور و معروف ہے اور سب جانتے ہیں کہ شیعیان عراق ہمیشہ سے ہر قسم کی فتنہ انگیزی سے دور رہے ہیں سب سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنے میں اور کی رعایت ولحاظ کرتے رہے ہیں اور نظام صدام کے سقوط کے بعد انہوں نے ضبط نفس سے کام لیا اور اپنے اعصاب پر اس قدر کنٹرول کیا ہے کہ ایسا کسی دور میں مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے ان سب کے باوجود اور بے پناہ ان پر سابق نظام کے ہاتھوں شکنجہ سہنے کے بعد بھی شیعوں نے انتقامی کاروائی نہیں کی اور قدرت و طاقت کے زور پر انتقام لینے کے لئے آگے نہیں بڑھے بلکہ اپنے سکون و اطمینان کو قائم و دائم رکھا یہاں تک کہ عقائدی میدان میں بھی پرسکون ہی رہے اور دوسرے لوگوں کو سیاسی میدان میں اترنے دیا اس امید کے ساتھ کہ سب مل جل کر ملک کی تعمیر میں حصّہ لیں اور ایسی قربانی پیش کی کہ عقلاء عالم آج بھی انگشت بدندان ہیں ان سب قربانیوں کے باوجود اور اپنے عتبات مقدسات کی تخریب پر سکوت اختیار کرنے اور بہت سے نقصانات سہنے کے باوجود یہاں تک کہ آدھا ملیون شہید پیش کرنے کے بعد بھی ان کے مخالفین پر کوئی اثر نہیں پڑا اور ان میں جلاوطن کرنے سے اور ان کی شہریت چھیننے سے گریز کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدف و مقصد علاقائی سطح پر ایسی سیاسی فوجی اسٹراٹیجک ہے کہ جو اس پر کسی ایک کتاب کی نشر واشاعت یا کسی ایک گرما گرم تقریر وغیرہ سے کوئی اثر نہیں ہونے والا ہے نہ مثبت نہ منفی یہ کتاب (الفاحشۃ) نشر ہو یا نہ ہو شیعوں کو بے گھر کرنے

کا جو منشور لیکر مخالفین بھرپور طاقت کے ساتھ چل نکلے ہیں وہ جاری وساری ہے تو جو ضرر و نقصان صرف اس کتاب کی نشر و اشاعت سے وجود میں آسکتا ہے وہ تقریباً نہیں کے برابر ہے اور ہماری حالت ایسی صورت میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے اصحاب باوفا جیسے میثم تمار، شید ہجری، حجر بن عدی وغیرہ جیسی ہوگی جنہوں نے مولائے کائنات کے بعد یہ درک کرلیا تھا کہ اگر وہ حق امیر المومنینؑ کو برملا کریں گے تو ان کی زبانوں کو کاٹ دیا جائے گا ان کو قتل کردیائے یا ان کو سولی پر چڑھادیا جائے گا اور اگر برملا طور پر حق کا اظہار نہیں کرتے اور تقیہ سے کام لیتے ہیں تب بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جائے گا اس لئے ان بزرگواروں نے پہلا راستہ اپنا لیا اور اپنی اپنی گردنیں تلواروں سے سامنے پھیلا دیں۔

بالفرض اگر ضرر بھی ہو تب بھی اس مقام پر وجوب تقیہ تو ہماری گردن پر نہیں آتا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ ترک تقیہ پر مصلحتیں وجوب ترک تقیہ یا استحباب سے زیادہ ہیں یہی صورت حال انجام تقیہ پر مترتب ہونے والے مفاسد کی بھی ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہے ہیں کہ مصلحت تو بس اسی عظیم رافضی نہج کو اپنانے میں ہے اور مفسدہ اس کے ترک کرنے میں ہے ہم نے دیکھا کہ امت اسلامی عائشہ اور اس جیسی شخصیات سے بہت بڑا دھوکہ کھاتی رہی ہے اور حقیقت حال سے ہماری خاموشی ہی باعث بنی ہے کہ اب یہ بیماری آل محمد علیہم السلام پر ایمان رکھنے والوں کی فضاؤں میں سرایت کرگئی ہے یہاں تک کہ بعض کے اوپر باقاعدہ اس کا اثر ہو گیا ہے اور ان کی زبانوں پر یہ جملہ سننے کو مل جاتا ہے کہ عائشہ سے برائت و بیزاری کیوں؟ اس کے کرتوت کا تذکرہ کیوں؟ جبکہ وہ زوجہ رسولؐ ہے! مجھے میری حیات کی قسم ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔

بہر حال ہم اپنی سفارش و وصیت کی تکرار کرتے ہیں کہ یہ تاریخی موقع اور فرصت ہے ہو سکتا ہے مستقبل میں یہ موقع نہ ملے اس لئے کہ ہم علم غیب نہیں رکھتے اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ قدرت نے ہمارے لئے آنے والے ایام میں کیا مقدر فرمایا ہے لہذا دنیا کی موجودہ حالت تبدیل ہونے سے پہلے ہمیں چاہئے کہ آج کی کھلی فضا اور آزادی سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے پاس موجود علوم و معارف اور حقائق کو نشر کریں حق کا کھل کر اظہار کریں اور اللہ کی راہ میں کسی بھی قسم کی ملامت کرنے والے کی سرزنش و ملامت سے نہ ڈریں اور آنے والی نسلوں کے سامنے ان حقائق کو ثابت کر دیں تاکہ یہ میراث باقی رہے اور اس راہ راست کے خواہاں اس راہ پر گامزن ہوں اور فساد و تباہی کہ راستوں سے دور رہیں کیونکہ کلمۂ حق کو بقاء حاصل ہے اسے فنا کا سامنا نہیں ہے آج ہمارا عقیدہ مستحکم ہے اور ہم نے پاک و پاکیزہ آل محمدؑ کی ولایت کو پہچان لیا ہے اور خبیثوں یعنی ابو بکر و عمر و عثمان اور بنی امیہ و بنی عباس اور ان جیسے تمام بدکاروں (ان سب پر اللہ کی لعنتیں ہو) کی ولایت و سرپرستی کو ٹھکرا دیا ہے یہ سب کچھ ہمیں اپنے نیک علماء کی قربانیوں اور ان کے پاکیزہ خون کی بدولت حاصل ہوا ہے جو انہوں نے تمام تر مواقع اور فرصتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس میراث کو ہم تک پہچایا ہے اور اب ہمیں بھی اس عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چلیں اور تقیہ کا سہارا نہ لیں کہ آنے والی انسانی نسلوں کے حق میں ذمہ داری نبھانے سے کوتاہی کریں اس لئے کہ اگر ہمارے سابق علماء

نے تقیہ کا سہارا لیا ہوتا تو آج ہم آل محمدؑ کے حق کو پہچان بھی نہ سکتے اور ہم اپنے بہت سے گذشتہ لوگوں کی طرح معاذ اللہ ناصبی، بکری، عمری ہوتے[109]۔

ہماری یہی صورت حال ہے کہ اگر ہم نے تقیہ کا سہارا لیا اور ان حقائق کو پوشیدہ کیا تو ہم آنے والی نسلوں کے انحراف کے ذمہ دار ہوں گے انھیں بھلا حق کا کیسے عرفان ہو گا جبکہ ہم نے تقیہ کے نام پر ان حقائق کو پوشیدہ کرر کھا ہے تو نوجوان شیعہ ہمارے موقف کی شرعی حیثیت سے کیسے واقف ہو گا جبکہ دشمن ایسے لوگوں کو صحابہ کہہ رہا ہے کہ جن کی حقیقتوں کو ہم نے برملا نہیں کیا ہے اور واقعیات کو چھپا لیا ہے[110]۔

ٹکراؤ سے بچنے کے لئے تقیہ میں سہل انگاری کا برا نتیجہ، ایک عبرتناک داستان

آج جو لوگ مشکلات اور ٹکراؤ سے فرار کی خاطر تقیہ پر عمل کرتے ہیں اور راحت و آرام کو فوقیت دیتے ہیں وہ عنقریب نادم و پشیمان ہوں گے جب ان کی موت کا وقت قریب

---

(109) مجھ صاحب کتاب (یاسر الحبیب) کے آباء و اجداد عمری و بکری تھے خدا کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت یافتہ بنا دیا ہے۔

(110) ہم سے جناب شیخ صالح المجاہد نے بیان کیا ہے کہ سقوط صدام کے بعد کربلائے معلی میں حوزوی تدریس کے دوران ان کو اپنے بعض شاگردوں سے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ آپ نے عمر بن خطاب پر لعنت کیوں کی؟ درس کے دوران اس ملعون کا نام آگیا تھا تو شیخ صالح المجاہد نے عمر پر لعنت کی تھی اس سے بھی بڑھکر حیرت کا مقام یہ تھا کہ ان طلاب کو جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے حق میں عمر ابن خطاب ملعون کے جرائم کے سلسلہ میں انہیں کچھ بھی پتہ نہیں تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ یہ ہم پہلی بار سن رہے ہیں کہ عمر بن خطاب نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر پر حملہ کیا اور ان کے حمل کو ساقط کیا اور ان کے محسن کو قتل کیا بتلایئے؟ اس پردہ پوشی اور چھپانے کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اس پردہ پوشی کے نتیجہ میں مترتب ہونے والے عقیدتی انحرافات کے آثار کا کون زمہ دار ہے اس کی مسئولیت سوائے عمامہ پوش ڈرپوکوں کے اور کسی کی گردن پر ہے؟

آجائے گا اور ان کے حالات ان کی نگاہوں کے سامنے کھل کر آجائیں گے تو وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے باعث حسرت و افسوس کریں گے امر بالمعروف و نہی عن المنکر شریف ترین عظیم و اہم ترین دینی فریضہ ہے جس کے ساقط کرنے والے بہت سے لوگ تقیہ کا سہارا لیتے ہیں جبکہ خوف اور ہر اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اے کاش یہ لوگ محدث جلیل القدر جناب شیخ عباس قمی قدس سرہ مشہور کتاب مفاتیح الجنان کے مؤلف کی داستان سے پند و عبرت حاصل کرتے اس داستان کا ہمارے موضوع سے براہ راست اور بڑا گہرا تعلق ہے اور اس سے پہلے کے میں اصل داستان کو بیان کروں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کے جناب شیخ عباس قمی قدس سرہ ایک برحق ولی خدا تھے آپ تقویٰ و پرہیز گاری و اخلاص اور ولایت اہل بیت علیہم السلام میں اس بلند مقام و عظیم مرتبہ پر فائز تھے کہ آپ کے عصر کے بزرگ علماء آپ پر رشک کرتے تھے اور اللہ عزوجل نے آپ کے دست مبارک پر بہت سی کرامات ظاہر فرمائیں اور آپ کو بڑی عظمتوں سے نوازا نیز آپ کی فضل و شان میں بس یہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ کی کتاب مفاتیح الجنان قرآن مجید کی ساتھی بن گئی ہے آپ کوئی گھر ایسا نہیں پائیں گے جہاں قران مجید رکھا ہوا ہو اور اس کے پہلو میں کتاب مفاتیح الجنان کا کوئی نسخہ نہ رکھا ہوا ہو اور شاید آپ کو کوئی ایسا انسان نہ ملے جو نہ جانتا ہو کہ جناب شیخ عباس قمی کون ہیں اس لئے کہ ان کا ذکر لوگوں کے درمیان سابق و لاحق بزرگ علماء سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔

اس کے باوجود کے بڑے بڑے علماء و بزرگان، صلحاء و اتقیاء یہ تمنا کرتے ہیں کہ اے کاش جس منزل تمسک بہ اہل بیتؑ اور دین کی پابندی کے عظیم مرتبہ پر جناب شیخ عباس قمی پہنچے اس منزل پر وہ بھی پہنچ جاتے اس کے باوجود یہ دیکھا گیا ہے جناب شیخ عباس قمی رضوان اللہ علیہ اپنی حیات کے آخری ایام میں بہت غمزدہ و پریشان تھے اور آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح اشک بہا رہے تھے اور باربار بارگاہ خدا میں اپنے ایک کام کی وجہ سے توبہ و استغفار اور افسوس کر رہے تھے آخر وہ کون سا کام تھا جسے شیخ محدث قمی نے کر ڈالا تھا اور اس قدر ندامت و پشیمانی کس جرم کی یا گناہ کے ارتکاب پر انہیں ہو رہی تھی؟۔

تہران کے ایک عالم جناب مرحوم حاج احمد روحانی قدس سرہ اس کا راز جانتے تھے اور انھوں نے اس راز کو بعد میں فاش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں شیخ قمی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوا میں نے ان سے سوال کیا کہ اے ہمارے بزرگوار آخر اس قدر حزن و ملال آپ کو کیوں ہے آپ کس چیز سے خوف زدہ ہیں جبکہ آپ کریم پروردگار کی اور مطاع شفاعت کرنے والے کی خدمت میں جا رہے ہیں اور وہ بھی اتنے سارے اعمال صالحہ اور حسانات کے ساتھ جسے آپ نے پہلے سے ہی بارگاہ خداوندی میں پیش کر دیا ہے تو جناب محدث قمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں اپنے ایک کام پر شدید شرمندہ ہوں کہ جسے میں نے اپنی عمر میں ایک بار انجام دیا ہے اور کاش کہ میں نے وہ کام نہ کیا ہوتا میرا حزن و ملال بس اسی ایک کام پر ہے ہوا یہ کہ ایک سال مجھے حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا میں نے مکہ مکرمہ میں فرصت کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ بعض مخالف علماء سے ان کے سلسلۂ روایت سے اجازہ حاصل کر لوں اس لئے ان میں سے ایک کے پاس پہنچ گیا اور اس سے اجازۂ روایت کا مطالبہ کر دیا جونہی اسے پتہ چلا کہ

میں شیعہ علماء میں سے ہوں اس نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ توام المومنین عائشہ کو برا بھلا کہتے ہو ان پر لعن کرتے ہو میں نے دیکھا کہ اس کا اقرار مصلحت کے خلاف ہے تو میں نے تقیہ کرتے ہوئے انکار کر دیا لیکن آج میں اس کام پر بیحد شرمندہ ہوں کاش میں نے تقیہ پر عمل نہ کیا ہوتا اور انکار کے بجائے اقرار کیا ہوتا اور حق کو برملا کر دیا ہوتا اور اب میں فکر مند ہوں کہ بارگاہ خداوندی میں اپنے اس عمل کا کیا جواب دوں گا جب میں پیش پروردگار حساب کے لئے کھڑا ہوں گا؟[111]۔

خبردار،،، پھر کوئی ایسے موقف میں اس طرح اپنے آپ کو نہ پیش کرنے پائے جس موقف میں جناب شیخ عباس قمی قدس اللہ روحہ کو ندامت اٹھانی پڑی اور وہ اپنی دنیاوی زندگی کے اوآخر ایام میں شرمندہ وپشیمان ہوئے ہم سب کو چاہیئے کہ باطل کا شعلہ خاموش کرنے کے لئے اور اس کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرح بن جائیں کہ جنہوں نے جان کی پروہ نہیں کی اور باطل سے ٹکرا گئے اسے کچلتے رہے اور اس کے شعلوں کو خاموش کرتے رہے[112]۔

---

(111) یہ داستان بڑی مشہور ہے اور ایران میں منبروں پر بعض خطباء بھی نقل کرتے ہیں آپ اس داستان کی طرف اشارہ جناب شیخ عباس قمی کی کتاب منتہی الآمال کے مقدمہ میں بھی دیکھ سکتے ہیں جہاں آپ کی حیات طیبہ کے عنوان سے کچھ گذارشات پیش کی گئی ہیں دیکھئے طبعہ دوم موسسۂ نشر اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین قم المقدسہ۔

(112) جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ نے حضرت علیؑ کی توصیف میں اپنے احتجاجی خطبہ میں جسے آپ نے ابو بکر لعنۃ اللہ کے سامنے دیا تھا یہی کلمات استعمال فرمائے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام عائشہ کو برملا رسوا کرتے ہیں!

یہ امیر المومنین ،اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں جنہوں نے حق کو آشکار کیا اور عائشہ کو اس کے باطل کی آگ خاموش کرنے کے لئے اس کے کرتوت اور خباثتوں کو برملا کر دیا وہ بھی اصحاب رسول خداؐ سے چھلکتی ہوئی بزم عام میں جن کے اندر تقریباً ۷۰ اشخاص جنگ بدر کے تھے جناب عمار بن یاسر رضوان اللہ علیہ نے کہا اے امیر المومنین ان کے ذکر سے باز رہیں کہ وہ آپ کی ماں ہیں! تو امامؑ نے عائشہ کا تذکرہ چھوڑ دیا اور کسی دوسری چیز کو بیان کرنے لگے اور پھر عائشہ کے تذکرے پر آ گئے اور اس دفعہ آپ نے پہلے سے زیادہ اس کی خباثتوں کا برملا فرمایا پھر جناب عمار یاسر نے کہا اے امیر المومنین ان کا تذکرہ چھوڑیں کہ وہ آپ کی ماں ہیں! تو حضرت امیر المومنینؑ نے عائشہ کا تذکرہ چھوڑ دیا اور پھر آپ دوسری باتیں کرنے لگے اور کرتے کرتے پھر عائشہ کے بارے میں بیان کرنے لگے اس دفعہ تو پہلی دوسری دفعہ سے بھی کہیں زیادہ اس کے کرتوت اور خباثتوں کا تذکرہ فرمایا جناب عمار یاسر نے تیسری مرتبہ پھر کہا اے امیر المومنینؑ! عائشہ کے تذکرے سے باز رہیں کہ وہ آپ کی ماں ہے تو حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ہرگز نہیں، میں اللہ کے ساتھ ہوں اور اس ذات کے خلاف ہوں جو اللہ کے خلاف ہے اور تمہاری ماں وہ ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ نے تم لوگوں کا امتحان لیا ہے تا کہ پتہ کرے کہ تم لوگ خدا کے ساتھ ہو یا عائشہ کے ساتھ ہو؟[113]۔

---

(113) کتاب سلیم بن ہلالیؒ: حدیث ۶۷، ص۹۱۹۔ ظاہر سی بات ہے کہ جناب عمارؓ اپنے امام پر معترض نہیں تھے وہ تو ان لوگوں کے قول کی نمائندگی کر رہے تھے جو بزم امامؑ میں موجود تھے اور جناب عمار چاہتے تھے کہ ایک تقاضہ کرنے والے کے مانند امام

ہمیں یہ سوچنا ہو گا کہ آخر امیر المومنین علیؑ نے اس زمانے میں بھرے مجمع کے درمیان اس طرح کی گفتگو کیونکر کی اور کس طرح منہ بناتے ہوئے اور جلتے بھنتے ہوئے اس بھیڑ نے امامؑ کے کلام کو سن لیا جن کے دلوں میں عائشہ کی محبت بنی اسرائیل کے بچھڑے کی طرح پلا دی گئی تھی اس کے باوجود امیر المومنینؑ ان سے خائف نہیں ہوئے بلکہ ان کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کیا ان کو نظر میں بھی نہیں لائے وجہ اللہ کا یہ ارشاد ہے "کیا تم لوگوں سے ڈرتے ہو جبکہ اللہ اس سے زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھا جائے"(114)۔

ولایت حیدر کرار صلوات اللہ علیہ کا متوالا مومن آج انھیں بزرگوار کی سیرت پاک کا پیروکار ہے جنھوں نے ہمیں شجاعت کے ساتھ باطل کی آگ بجھانے کے لئے اور اس راہ میں قربانی دینے کے لئے للکارا ہے اور ہمارے سامنے یہ قاعدہ بنا کے پیش کر دیا ہے کہ روش باطل کو کچلنے کے لئے ہم کسی بھی ضرر و نقصان، مصائب و آلام کو خاطر میں نہ لائیں اور قیمتی سے قیمتی چیز اس راہ میں قربان کر دیں لہذا ہمارا ابھی ہر وہ شخص جواب سن لے جو ہمارے رویہ پر اعتراض کرتا ہے اور تقیہ کے نام پر ہم سے خاموشی و توقف کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا میں اللہ کے ساتھ ہوں اور ہر اس شخص کے خلاف ہوں جو اللہ کے خلاف ہے۔

امیر المومنینؑ کی تردید کا باعث بنے اور امامؑ اپنے کلام کو جاری رکھیں حضرت عمار اور حضرت امیر المومنینؑ کی حالت اس موقع پر حضرت ہارون اور حضرت موسیٰؑ کی سی ہے اس لئے کہ بہت سے مقامات پر عام لوگوں کے سامنے حقائق اور واقعی معلومات پہچانے کے لئے ایسے مواقف اپنانے پڑتے ہیں جو بظاہر اعتراض یا نقص یا ردو تنقید کی شکل میں ہوا کرتے ہیں۔

(114) سورۂ احزاب: آیت ۳۸، اس آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب جناب رسول خداؐ سے ہے لیکن اس کی مثال اس ضرب المثل کی طرح سے ہے (ایاک اعنی واسمعی یا جارۃ) میں تمہیں مخاطب کر رہا ہوں لیکن اے کنیز تم سنو، مطلب یہ ہے کہ آیت کا مقصود ہم گنہ گار ہیں اس سے رسول خداؐ مقصود نہیں ہیں کیونکہ وہ عصمت مطلقہ کے مالک اور معصوم ہیں۔

آٹھواں مقدمہ

ٹکراؤ، موقف، پسندیدہ فرقہ پرستی

جو بھی ہم شیعوں کی تاریخ سے مطلع ہے وہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ ہمارے سابق بزرگواروں کی سیرت اور بعد والوں کی سیرت میں کس قدر فرق ہے حالانکہ گذشتہ لوگوں کے حالات اور ماحول ہم سے زیادہ سخت اور عسر و حرج والے تھے ان کے اوپر سختیاں زیادہ تھیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے مخالفین کو راہ راست پر لانے کی کوشش میں کمزوری نہیں دکھائی انہوں نے ظالموں کے رموز و سربراہوں کی رد و قدح میں بڑھ چڑھ کے حصّہ لیا اور ان کے باطل مذاہب کی بنیادوں کو توڑ ڈالا اور ان کے منحرف عقائد کو ہوا میں اڑا دیا کیونکہ وہ اس عمل کو اپنے اوپر شرعی و اخلاقی واجب سمجھتے تھے اور یہ روش انھوں نے اپنے ائمہ طاہرینؑ کے اقوال کے مطابق عمل پیرا ہو کر اپنائی تھی "ان سے مناظرہ کرو اور جس ہدایت و حق پر تم ہو اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرو اور جس گمراہی و ضلالت میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں ان کے سامنے اسے بھی بیان کرو" [115]۔

اگر کوئی تلاش و جستجو کرنے والے نمایاں شیعی شخصیات کے سلسلہ میں تاریخ کا مطالعہ کرے اور ہمارے قدیم علماء میں سے جو لوگ کلام، احتجاج، اور مناظرہ و دعوت حق دینے کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے ان کی تاریخ پر نظر دوڑائے تو وہ پائے گا کہ انھوں نے مخالفین کے ساتھ کیا سلوک کیا اور کس طرح کھل کر خلفاً عن سلف، ابو بکر، عمر و عثمان وغیرہ کے سلسلہ میں بغیر کسی

---

(115) تصحیح الاعتقاد للمفیدؒ: ص ۷۱۔

مروت کے ان کے مثالب و مطاعن کو بیان کیا ہے اور ان ملعونوں پر لعن طعن کی ہے میں آپ لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کر رہا ہوں کے جسے جناب سید مرتضیٰ علم الھدیٰ اپنے استاد بزرگوار جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں کہ اپنے دور کے بزرگ شیعہ متکلم جناب علی ابن میثم بحرانی رضوان اللہ علیہ (116) اور معتزلیوں کے عراقی بزرگ متکلم ابو ھزیل علاف کے درمیان واقعہ پیش آیا ہے جناب سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ مجھ سے میرے استاد (خدا ان کی عزت و عظمت کو مستدام فرمائے) نے خبر دی ہے کہ ابو ھزیل علاف نے ابو الحسن علی ابن میثم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا جبکہ علی ابن ریاح کے پاس جمع تھے کہ کیا دلیل ہے کہ علی امامت میں ابو بکر سے اولیٰ تھے تو جناب علی ابن میثمؒ نے فرمایا کہ اس کی دلیل اہل قبلہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے وقت مومن، عالم اور کافی خلافت کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھنے والے تھے اور ان صفات میں اہل قبلہ کا ابو بکر پر اجماع نہیں ہے ابو ھزیل علاف نے کہا کہ ابو بکر پر کس نے اجماع نہیں کیا ہے؟ خدا تمہیں معاف کرے تو جناب ابو الحسن علی ابن میثم نے فرمایا میں نے اور میرے سابقہ اور ابھی کے علماء و اصحاب نے، ابو ھزیل نے علی ابن میثم سے کہا کہ تم اور تمارے اصحاب سب کے سب گمراہ اور بھکے ہوئے ہو، جناب ابو الحسن علی ابن میثم نے فرمایا میرے اس کلام کا جواب سوائے گالی گلوج اور پھر مار پیٹ کے اور کچھ نہیں ہے (117)۔

---

(116) آپ حضرت امام رضاؑ کے اصحاب اور جناب ہشام بن حکم کے شاگردوں میں سے تھے جناب نجاشی نے ہمارے اکابر و رؤساء و متکلمین میں سے انھیں شمار کیا ہے آپ حضرت علیؑ کے صحابی جناب میثم تمارؓ کے پوتوں میں سے تھے۔

(117) الفصول المختار للسید مرتضیٰؒ: ص ۸۶۔

اس داستان میں جو بات بڑی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ جناب ابن میثم نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ ابو بکر کے مومن، عالم او خلافت کے لئے صلاحیت ہونے پر اجماع نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافق، جاہل اور ناکارہ ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ شیعوں کا پرانے زمانہ سے اب تک یہی عقیدہ ہے کیونکہ انھوں نے کہہ دیا تھا (میں نے اور میرے سابقہ اور موجودہ علماء و اصحاب نے) اور جب ابو ہزیل نے ان کو اور تمام شیعوں کو بے وقوف اور صفیہ و گمراہ ہونے کی تہمت لگائی تو ابن میثم گالی گلوج اور مار پیٹ و دھمکی دینے سے بھی نہیں چوکے حالانکہ وہ اس کے قبل ھارون ملعون کے دور میں قید خانہ اور شکنجہ کی سختیوں کو سہ چکے تھے[118] لیکن جیل کی سختیوں نے آپ کے حوصلہ کو پست نہیں کیا اور دشمنان خدا کے مثالب و جرائم کو ان کے پیروکاروں کے سامنے بیان کرنے سے باز نہیں رہے اور نہ ہی دشمنوں اور مخالفین سے مقابلہ میں کسی قسم کی کمزوری برتی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ سید مرتضیٰ اور شیخ مفیدؒ (خدا ان دونوں کے درجات کو بلند فرمائے) اس ٹکراؤ والی داستان کو بطور شاہد پیش کر رہے ہیں اور صاحب واقعہ پر رحمت کی دعا کر رہے ہیں اور اس واقعہ کو دیگر اسی جیسے ٹکراؤ کے واقعات کو جاوید بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ یہی ٹکراؤ اور مذہبی مواقف کو آج کے بے وقوف لوگوں کے میزان میں ناقابل قبول مسلکی ٹکراؤ شمار کیا جاتا ہے حالانکہ ایسے ٹکراؤ والے واقعات سابق علماء کی نظر میں نہ صرف مسلکی و

---

(118) رجال کشی: ص ۲۶۲۔

مذہبی ٹکراؤ شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب مواقف تھے اور اس لائق تھے کہ انھیں لکھا جائے، نشر کیا جائے اور درس و بحث کے طور پر پڑھایا جائے ۔

انہیں واقعات میں سے ایک اس سے بھی زیادہ مخالفین کو بھڑکانے والا واقعہ ہے جو ابن میثم اور علاف کے درمیان ہی پیش آیا ہے جس میں جناب ابن میثم نے علاف کے سامنے ثابت کر دیا ہے کہ ابلیس ملعون اس کے امام یعنی ابو بکر سے زیادہ عالم اور جانکار ہے سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ مجھ سے جناب شیخ ابو عبد اللہ مفیدؒ نے (خداوند متعال ان کی تائید فرمائے) نے فرمایا ہے کہ جناب ابوالحسن علی ابن میثم نے ابو ھزیل علاف سے پوچھا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ شیطان تمام کارہائے خیر سے منع کرتا ہے اور تمام کارہائے شر کا حکم دیتا ہے ابو ھزیل علاف نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے تو ابن میثم نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ شیطان تمام شرور کا حکم دیتا ہو اور تمام شرور سے واقف نہ ہو اور وہ تمام نیکیوں سے روکتا ہو اور تمام نیکیوں سے واقف نہ ہو؟ اور ابو ھزیل نے کہا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تو جناب ابن میثم نے فرمایا تو یہ ثابت ہے نا کہ ابلیس تمام خیر اور تمام شر سے واقف ہے اور وہ تمام نیکیوں اور برائیوں کا علم رکھتا ہے؟ اور ابو ھزیل نے کہا کہ ہاں بالکل، جناب ابن میثم نے پوچھا کہ یہ بتلائیں کیا آپ کے امام جس کی تم بعد رسول پیروی کرتے ہو وہ تمام نیکیوں اور تمام برائیوں سے واقف تھا؟ ابو ھزیل نے کہا کہ نہیں وہ تمام نیکیوں اور برائیوں سے واقف نہیں تھے تو ابن میثمؒ نے فرمایا تو پھر ابلیس تمہارے امام سے زیادہ عالم و دانا ہے! ابو ھزیل لاجواب ہو گیا اور کچھ نہ بول سکا (119)۔

(119) الفصول المختار للسید المرتضیٰ: ص ۲۳۔

اگر یہ مسلکی ٹکراؤ (بے وقوفوں کے خیال میں) کے واقعات زندہ رکھے جانے اور بعد کی نسلوں کے لئے نقل کئے جانے اور نشر و اشاعت کے قابل نہ ہوتے تو ہمارے بزرگ عالم جناب شیخ مفیدؒ جیسے بزرگوار جنھیں حضرت امام مہدی علیہ السلام مفید سے ملقب فرمایا ہے کو اپنے شاگرد رشید جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے املاء نہ فرماتے۔

بیشک جناب شیخ مفیدؒ وہ ہیں کہ جو اس طرح کے شیعی و رافضی میراث پر فخر و ناز کر رہے ہیں اور اپنے تلامذہ سے نقل کر رہے ہیں تا کہ وہ بھی ان کی روش پر گامزن ہوں بلاشبہ مفید ہمارے سابق علماء میں صف اول کے ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے گمراہوں کے مقدس ترین رموز کو للکارا اور ان سے ٹکرائے اور زبردست مواقف ان کے خلاف اختیار کرتے رہے یہاں تک کہ مارے غصہ کے ان کی رگیں پھول گئیں اور ان کے دل غیض و غضب اور بغض و کینہ سے بھر گئے یہاں تک کہ ان کے اوپر مسجد میں ہی حملہ آور ہو گئے اور عباسی خلیفہ نے اپنے سپہ سالار کو لشکر دیکر بھیجا کہ شیخ مفیدؒ کو بغداد سے جلا وطن کر دے اس سے پہلے مخالفین شیعوں کے گھروں کو جلا چکے تھے اور ان میں بہت سے لوگوں کو شہید کر چکے تھے [120]۔

یہ لوگ شیخ مفیدؒ سے کینہ کیوں نہیں رکھیں گے جبکہ وہ ایسے تھے جیسا کہ سنیوں کا خطیب شیخ مفیدؒ کے بارے میں کہتا ہے، رافضیوں کا استاد، ان کے مسلک کا متکلم تھا اور اس نے

(120) دیکھئے بدایہ ونہایہ ابن کثیر: ج ۱۱، ص ۳۳۸، سنہ ۳۹۸ھ کے واقعات۔

شیعوں کی گمراہیوں کے سلسلہ میں اور ان کے عقائد و اصول کے سلسلہ میں نیز سلف صالح یعنی صحابہ، تابعین، فقہاء اور مجتہدین کے اوپر طعن و تشنیع میں بڑی کتابیں لکھی ہیں[121]۔

یہ لوگ اس بزرگوار پر کیوں نہیں حملہ آور ہوں گے جبکہ شیخ مفیدؒ ہی تھے جنہوں نے عمر ابن الخطاب کے کفر پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے[122] اور آپ ابو بکر و عمر کے ایمان کی نفی کرتے تھے کیونکہ وہ دونوں اگر ایسے نہ ہوتے تو کبھی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ ان دونوں کے درمیان اور ان کے قتل سے بچنے میں شرط وفاداری کے درمیان حائل نہ ہوتے ان دونوں کو اس سے باز رکھنے کا مطلب ہے کہ وہ دونوں اسی صفت کے حامل تھے یہی نہیں جیسا کہ جاہلوں نے ان دونوں کے بارے میں اپنا عقیدہ بنالیا ہے ہمارے بیان سے یہ کہا اشکار ہو گیا ہے کہ عرش و تخت سلطنت ان دونوں کے لئے وبال جان بن گیا اور ان دونوں کے نقص و عیب پر دلالت کرتا ہے اور وہ دونوں ان صفات سے تضاد رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے حامیوں نے ان دونوں کے بارے میں وہم و گمان کر لیا ہے[123]۔

اور جناب شیخ مفیدؒ مخالفین کے اس نظریہ کو بھی باطل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس میں یہ گمان کیا گیا ہے کہ ابو بکر و عمر اور عثمان رسول خداؐ کے نمایاں اصحاب میں سے ہیں جن کی قرآن میں مدح و ثنا کی گئی ہے، آپ انکے پیرو کاروں کو مخاطب قرار دیکر فرماتے ہیں تم اپنے رہبروں کو صفر پاؤ گے جن صفات کا تم لوگوں نے ان کے بارے میں دعویٰ کر رکھا ہے اور دیکھو

(121) تاریخ بغداد، خطیب بغدادی: ج۳، ص ۲۳۱۔

(122) الفصول المخارۃ للسید المرتضیٰؒ: ص ۲۷۔

(123) الفصول المخارۃ للسید المرتضیٰؒ: ص ۳۴۔

گے کہ وہ مذمت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان میں کوئی فضیلت نہیں پائی جاتی ہے[124] شیخ مفید نے طلحہ وزبیر کے بارے میں فرمایا ہے وہ دونوں اس حال میں قتل ہوئے کہ حضرت امیر المومین علیہ السلام سے جنگ کرنے پر مصمم تھے اور فسق ونافرمانی پر ڈٹے ہوئے تھے[125] آپ نے عائشہ کے بارے میں فرمایا ہے "اس کا رسول خداؐ سے کوئی دینی رشتہ باقی ہی نہیں رہ گیا تھا" اور حضرت امیر المومنین علیؑ نے عائشہ کے نفاق کا علم رکھتے ہوئے اور اسکی خلاف ورزیوں سے واقفیت کے باوجود رسول خداؐ کی طرف سے اس کو طلاق اس لئے نہیں دی کہ اس کے بے پناہ عداوت و دشمنی ہی رسول خداؐ سے رشتہ ختم ہونے کے لئے کافی تھی الگ سے اس کو طلاق دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی یا کوئی اور اقدام کی کوئی ضرورت نہیں تھی امام علیؑ نے اسے اس لئے محفوظ طریقہ سے دوبارہ پردہ میں پلٹا دیا کہ خدا کے حکم کا پاس رہ جائے کہ اس نے ناموس نبی کو لوگوں پر حرام قرار دے دیا تھا اور بعد نبیؐ ان کی ازواج سے کسی بھی حال میں نکاح ممنوع کر دیا تھا اور یہ عائشہ کی عزت بڑھانے کے لئے نہیں اور قد بڑھانے کے لئے نہیں تھا[126] شیخ مفیدؒ نے حفصہ کے بارے میں فرمایا ہے، وہ اپنے باپ اور اس کے ساتھی (ابو بکر) کے سلسلہ میں نقل روایت میں متہم ہے وہ بھی حضرت امیر المومنینؑ سے دشمنی وعداوت میں مشہور تھی بلکہ آپ سے بغض وکینہ رکھنے میں اور

---

(124) الافصاح للمفیدؒ: ص ۱۳۹۔

(125) الکافئۃ للمفیدؒ: ص ۴۴۔

(126) المسائل العکبریۃ للمفیدؒ: ص ۷۵۔

آپ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں پیش پیش تھی حضرت امیر المومنینؑ سے جنگ اور ان کے خلاف لوگوں کو للکارنے میں اپنی بہن عائشہ بنت ابی بکر کی محبت میں اندھی ہوگئی تھی[127]۔

اس طرح کی تبرائی تصریحات کے بعد جناب شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کے روز وفات پر سنیوں کے علماء کا خوشی منانا کوئی تعجب خیز چیز نہیں ہے حد یہ ہے کہ ان کا ایک بڑا عالم ابوالقاسم خفاف جناب شیخ مفیدؒ کی رحلت کے روز اپنے ٹھیے پر بیٹھا، تبریک و تہنیت پیش کرنے والوں کا استقبال کرتا ہے اور کہتا ہے فرزند معلم شیخ مفیدؒ کے مر جانے کے بعد اب مجھے کوئی پروہ نہیں ہے کہ میری موت کب آتی ہے[128]۔

ہمارے علماء اس تصریح سے کہ ہم لعنت کرنے والے ہیں پیچھے نہیں ہٹتے تھے!

یہ بات کسی بیان کی محتاج نہیں ہے کہ شیعوں سے مخالفین اور ان کے علماء اس قدر بغض و کینہ رکھتے ہیں اور اس کی اہم وجہ شیعوں کی لعن و طعن اور رافضیت ہے اور یہی لعنت سب سے زیادہ ان کی حساسیت کا باعث ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے گذشتہ علماء نے اس بغض و کینہ کی کوئی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے یہ کوشش کی کہ لعن و طعن اور تبرا کو روک کر ان کے بغض و کینہ کا ازالہ کریں بلکہ تبرا و لعنت پر اپنے قول و فعل دونوں میں عمل پیرا رہے اور اسی روش پر گامزن رہے انھوں نے رافضیت اور لعنت کو میزان تمیز قرار دیکر اپنوں کی غیروں سے شناخت کی اور اس طرح باطل پرستوں کو حق شناسوں سے جدا کیا اور اس رویہ پر انہیں فخر رہا ہے رافضیت اور

(127) الافصاح للمفیدؒ: ص ۲۲۴۔

(128) البدایۃ والنہایۃ: ج ۱۵، ص ۶۰۴، ابن معلم سے مراد جناب شیخ مفیدؒ ہیں۔

لعنت کو انہوں نے تہمت نہیں سمجھا کہ اس سے فرار کریں اور اس پر شرمندہ ہوں جیسا کہ آج کل کے ڈرپوک اور کمزور ایمان والوں کا حال ہے۔

اس روش پر آپ کو حضرت علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ جیسا عظیم عالم بھی گامزن ملے گا آپ اصول کافی کی شرح رافضی و امامی کی تعریف میں یہ کہنے سے گریز نہیں کرتے کہ "رافضی امامی اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ شیعہ لوگوں نے بعد رسولؐ امامت و خلافت میں لوگوں کی اکثریت کے مذہب کو رفض و انکار کر دیا ہے اور صحابہ پر لعنت کرتے ہیں" (129) آپ دیکھ رہے ہیں کہ علامہ مجلسی شیعوں کی شناخت میں بغیر کسی جھجھک کے دو امر پر تاکید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ایک رافضیت دوسرے لعنت۔

بزرگ قدماء نے مخالفین سے تقریب کی کبھی سعی نہیں کی!

اگر آپ عصر ائمہ طاہرین علیہم السلام سے ہمارے گذشتہ علماء وبزرگان کی تاریخ کا بغور جائزہ لیں تو آپ کو کوئی ایک مورد ایسا نہیں ملے گا کہ جہاں ہمارے بزرگوں نے مخالفین کے ساتھ تقریب کی سعی کی ہو یا ان لوگوں کے ساتھ ملکر کوئی مشترکہ عقائدی و مذہبی یا فکری میدان عمل ایجاد کیا ہو ان کے درمیان کبھی کوئی عنوان "تقریب بین مذاہب اسلامیہ" جیسا ان کے اہداف میں شامل رہا ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ مخالفین کے ساتھ ملاقات کو کوئی اہمیت دیتے تھے سوائے مقام مناظرہ، جدال اور دھمکی کے، جبکہ ان کے اور سنیوں کے درمیان بڑے گہرے رشتے ہوا کرتے تھے اور زندگی و سماج کے لحاظ سے ان میں تعلقات قائم رہتے تھے مگر ان بزرگواروں نے

---

(129) مرآۃ العقول للعلامۃ المجلسیؒ: ج۵، ص۱۵۰۔

کبھی انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دیا کہ وہ ان سماجی تعلقات سے تجاوز کر کے کسی مذہبی اور دینی سمجھوتہ کرنے کی کوشش کریں۔

مثال کے طور پر فرقہ اباضیہ کا سربراہ عبداللہ بن یزید، حضرت ہشام بن حکم رضوان اللہ علیہ کے ساتھ ایک ہی دوکان میں تجارتی شریک تھا اور اس شرکت کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان بڑے گہرے تعلقات تھے یہاں تک کہ عبداللہ بن یزید نے مودت کا عنوان سمجھ لیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہو گا مگر اس کے باوجود یہ تعلقات جناب ہشام بن حکم کے لئے اپنے اباضی شریک کے ساتھ حق گوئی سے مانع نہیں ہوا اور انہوں نے اس کے مذاہب پر جرح اور اسے کافر تک ثابت کیا ہے ایک روز یہ دونوں ہارون ملعون کہ وزیر یحیٰ بن خالد برمکی کی بزم میں شریک تھے اور ھارون ان دونوں کی گفتگو چھپ کر سن رہا تھا جناب ہشام نے وزیر سے عبداللہ بن یزید کو لاجواب کرنے کے بعد فرمایا اے وزیر صاحب! میں نے اسے لاجواب کر دیا ہے اور اس کے نظریات کو معمولی کوشش و دلیل سے اڑادیا ہے یہ شخص اپنے گروہ و جماعت کا سرغنہ ہے اس نے بڑی آزادی و اختیار کے ساتھ دو مختلف نظریات کے مالک افراد کو حکم قرار دیا ہے ایک اس کو کافر جانتا ہے اور دوسرا اس کو عادل جانتا ہے اب اگر یہ شخص اپنے اس عمل میں صحیح ہے تو حضرت امیر المومنین علیؑ تحکیم میں اس سے کہیں زیادہ حق اور ثواب پر تھے اور اگر یہ شخص اپنی اس عمل تحکیم میں غلط ہے اور کافر ٹھہرتا ہے تو پھر اپنے کفر پر خود گواہ ہے اور ہم اس سے بے نیاز ہیں[(130)]۔

---

(130) الفصول المختارۃ للسید المرتضیٰؒ: ص ۵۱۔

اور شاید جناب ہشام کی طرف سے اپنے تجارتی شریک عبداللہ اباضی کو جو سب سے زیادہ ناگوار گذرا ہے وہ جناب ہشام کا اپنی بیٹی سے عبداللہ کا رشتہ کرنے سے انکار ہے کیونکہ عبداللہ سمجھتا تھا کہ اس کے اور ہشام کے درمیان تجارت میں شرکت اور ساتھ کا اٹھنا بیٹھنا ہشام کی طرف سے اس منگنی کو قبول کرنے کا باعث بنے گا اور ہشام انکار نہیں کریں گے مگر آپ نے بڑی سختی کے ساتھ انکار کر دیا اور عزر یہ پیش کیا کہ میری بیٹی صاحب ایمان ہے اور کوئی دوسری علّت نہیں ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اباضی کافر ہے اور کافر سے مومنہ عورت نہیں بیاہی جاسکتی ہے ورنہ وہ چاہے بدعت گذار منافق بھی ہوتا تو حکم اسلام میں ہونے کے ناطے نکاح کر سکتا تھا اور اس سے شادی کی جاسکتی تھی عبداللہ بن یزید اباضی نے جناب ہشام سے کہا تھا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے درمیان مودت اور تجارت میں شرکت کا سلسلہ قائم ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی بیٹی فاطمہؑ کا نکاح مجھ سے کر دیں تو جناب ہشام نے فرمایا میری بیٹی صاحب ایمان ہے بس یہ سن کر اباضی خاموش ہو گیا اور دوبارہ رشتہ مانگنے کی ہمت نہیں کر سکا[131]۔

مخالفین کے ساتھ حسین معاشرت ہو مگر مذہبی دشمنی کے ساتھ

ہمارے گذشتہ بزرگوں کی سیرت ایسی ہی تھی وہ مخالفین کے ساتھ بڑا متوازن رویہ رکھتے تھے سماجی اختلاط بہترین رہن سہن اور تعلقات کے ساتھ مذہبی نوک جھوک اور دینی دشمنی کو نظر انداز نہیں کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ ہمارے شیعہ علماء وعوام دوسروں کے ساتھ سماجی تعلقات اور مسالمت آمیز زندگی بسر کرتے تھے اور ان لوگوں سے ایک انسان کا دوسرے انسان

(131) ضحیٰ الاسلام لاحمد امین: ج۳، ص۲۶۸۔

کے ساتھ جیسا برتاؤ کرتے تھے لیکن عقیدہ و مذہب کے مسئلہ میں ایک دشمن دوسرے دشمن کے ساتھ کیسے پیش آتا ہے اور ایک حریف دوسرے حریف سے کیسا رویہ اختیار کرتا ہے ویسے پیش آتے تھے حق گوئی سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے چاہے مخالف کو سب سے زیادہ بھڑکانے والا عمل انجام دینا پڑ جائے انجام دیتے تھے جیسے ان کے بر سراہوں اور اماموں سے اظہار برائت کرنا ہو یا ان پر لعن طعن کرنا ہو اسی طرح مقام احکام و شریعت میں بھی انہیں زیادتی و تجارت کا موقع نہیں دیتے تھے ایک مومن کسی مخالف کے ساتھ احکام میں کیا سلوک کرے اس کا لحاظ رکھتے تھے کبھی نماز و غیرہ میں مخالفین کی اقتداء نہیں کرتے تھے سوائے اس کے کہ مجبور ہو جائیں یا تقیہ کا مقام ہو (132)۔

در حقیقت یہ متوازن سیرت و سلوک، حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تربیت کا نتیجہ تھا ان بزرگواروں نے ہی اپنے اصحاب کو اس روش پر تربیت کی تھی اور اصحاب و علماء شیعہ نے اس سلوک کو ائمہ طاہرین علیہم السلام سے سیکھا تھا اگر ائمہ طاہرینؑ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ "شیعیان علیؑ تو اپنے پڑوسیوں کے لئے برکت اور ملنے جلنے والوں کے ساتھ سلامت آمیز زندگی بسر کرتے ہیں" (133) تو وہیں ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ "اپنے مخالفین سے انس و محبت پیدا نہیں کرتے ہیں" (134) اور ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ "جو ہمارے مخالفین کی عزت و تکریم کرے وہ نہ تو

---

(132) دیکھئے کتاب عمدۃ المقال فی کفر اھل الضلال للعلامۃ حسن کرکی ابن محقق کرکی۔

(133) صفات الشیعہ للصدوقؒ: ص ۱۳۔

(134) فضائل الشیعہ للصدوقؒ: ص ۱۹۔

ہم سے ہے اور نہ ہی ہم اس سے ہیں[135] اور یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "مخالفین کے پیشوا کا دندان شکن جواب دو، اس کی عزت وشان کو چکنا چور کرو، اس کی تندئ زبان وبیان کو مروڑ دو اس کی کوئی عزت وشان باقی نہ رہنے دو"[136]۔

بس یک طرفہ اعتراف جاری رہے گا

مخالفین کے سرغنہ ہمارے اماموں علیہم السلام کی عظمتوں کا اعتراف کرتے رہے ہیں اور ان کے اندر موجود فضائل ومناقب کے پیش نظر مخالفین کے ائمہ ہمارے اماموںؑ کی تعریف، تمجید کرتے رہے ہیں جیسے کہ ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کہتا ہے "میں نے ان سے زیادہ بڑا فقیہ نہیں دیکھا ہے ان سے میرے دل میں جتنی ہیبت ہوتی تھی اتنی تو منصور دوانقی سے بھی نہیں ہوتی تھی"[137]۔

مالک بن انس حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کہتا ہے "میں نے انہیں جب بھی دیکھا تو یا نماز پڑھتے ہوئے یا سکوت اختیار کئے ہوئے یا پھر قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے پایا، امام جعفر صادقؑ ان علماء وعباد میں سے تھے جو واقعی خشیت الٰہی رکھتے ہیں[138]۔

(135) صفات الشیعہ للصدوقؒ: ص۷۔

(136) الاحتجاج للطبرسی: ج۱، ص۱۲۔

(137) اسنی المطالب لابن الجوزی: ص۵۵۔

(138) الشفاء قاضی عیاض: ج۲، ص۴۰۲۔

شمس الدین ذہبی حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کہتا ہے "بڑی شان والے، علم و دانش کے امام و سربراہ اور ابو جعفر منصور دوانقی سے کہیں زیادہ خلافت کے اہل تھے "(139) اسی طرح کے نہ جانے کتنے اعترافات اور مدح وثنا پر مشتمل کلمات موجود ہیں جو مخالفین کے سر براہوں نے ہمارے بارہ اماموں کی شان میں بیان کئے ہیں مگر ہمارے اماموں نے کبھی ان کے لیڈروں اور سربراہوں کو نہیں سراہا، سنیوں کے اماموں کی کبھی کوئی مدح نہیں کی بلکہ اس کے برعکس ہمیں ان کے اماموں کی مذمت اور ردو قدح ملتی ہے اور سخت سے سخت کلمات ان کے اماموں اور سربراہوں کے بارے میں نقل ہوئے ہیں جیسے کہ یہ ارشاد گرامی "وہ خبیث لوگ ہیں انہوں نے دین خدا کی نشر واشاعت میں باندھا باندھ دیا ہے (140) اگر کوئی محقق اس سلسلہ میں جستجوں کرے تو اسے یہی روش پرانے زمانے سے چلتی ہوئی ملے گی کہ مخالفین کے سربراہوں نے ہمارے ائمہ کے فضائل و مناقب کا اور ان کے عظیم کردار و سلوک کا اعتراف کیا ہے کئی بار ابو بکر ، عمر، عثمان اور عائشہ بلکہ معاویہ نے حضرت امیر المومنینؑ کی مدح و ثناء کی ہے اور ان کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے اور ان کے مناقب کو بیان کیا ہے لیکن حضرت امیر المومنینؑ نے ان کے سلسلہ میں وہی کہا ہے جس کے وہ مستحق تھے یعنی مذمت ، لعن و طعن اور رد و قدح کے علاوہ آپ کو کچھ نہیں ملے گا جیسے کہ آپ کا یہ ارشاد جبکہ آپ سے عمر و ابو بکر کے بارے میں سوال کیا گیا تو

(139) سیر اعلام النبلاء للذھبی: ج ۱۳، ص ۱۲۰۔

(140) کافی: ج ۱، ص ۳۹۳۔

آپ نے فرمایا" نہ ان دونوں نے حق کو اپنایا، نہ سیدھے راستہ پر چلے، نہ دیندار تھے اور نہ ہی فتنہ سے بچے [141]۔

اہل کوفہ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا" سرکشوں نے عائشہ کی پناہ لے رکھی ہے اور بصرہ والوں کی بھاری تعداد اس کے ارد گرد قتل ہو گئی اور باقی بچے رہ جانے والوں پر اللہ کی مار پڑی تو وہ دم ہلا کر بھاگ کھڑے ہوئے بصرہ والوں کے لئے عائشہ، قوم حجر کے ناقہ سے زیادہ منحوس ثابت ہوئی وہ اپنے پروردگار اور نبی اکرمؐ کی نافرمانی کر کے بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہوئی ہے اور اس نے بغیر کسی دلیل و حجت کے بغیر کسی شاہد و عذر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی اور مومنین کے خون بہنے کا سبب بنی ہے"[142]۔

اس کے بعد یہ کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ بعض علماء مخالفین ہمارے بزرگ علماء جیسے شیخ کلینیؒ، شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ وغیرہ کی تعریف و تمجید کریں یا جامعہ ازہر کے سابق رئیس ہمارے مذہب کے جواز کا فتویٰ دے اور مقابل میں اسے کچھ حاصل نہ ہو حق خود ہی اعتراف کرنے پر مجبور کرتا ہے اہل حق کبھی باطل کا اعتراف نہیں کرتے اور ہمیشہ یہ ایک طرفہ اعتراف کا سلسلہ جاری رہے گا۔

---

(141) بحار الانوار: ج۲۹، ص۵۵۸۔

(142) بحار الانوار: ج۳۲، ص۲۵۲۔

تقیہ کے باوجود، اعتراف ہر گز نہیں

جی ہاں کبھی سلطان جائر کے سامنے بعض حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ مسلمانوں کو تسلیم ہونا پڑ جاتا ہے اور نا اہل لوگوں سے اپنی جان بچانے کے لئے یا پھر کسی بڑے مفسدہ سے بچنے کے لئے اور ظالم و جابر سے گلو خلاصی کے لئے گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں کہ شاید اللہ عزوجل اس سے چھٹکارے کے اسباب فراہم کر دے۔

البتہ یہ تسلیم ہونے کا اگر خدانخواستہ موقع آ بھی جائے تو پہلے تو یہ حاکم شرعی کی موافقت سے ہونا چاہیے پھر یہ بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو یہ اعتراف و تسلیم، حاکم جائر کو شرعی حیثیت نہ دے چہ جائے کہ اس کی سلطنت کو تقویت ملے جیسا کہ آج کل بعض خائن اور دنیا طلب صاحبان عمامہ اور نامور لوگ کئی ملکوں میں کر رہے ہیں خاص طور سے جزیرۂ رسول خداؐ (حجاز) اور ایران میں، یہ ناسق لوگ سلاطین کو رداء شریعت اڑھا رہے ہیں اور مشخص مفادات کی لالچ میں ان کی خوب خوب تعریفیں کرتے ہیں۔

چنندہ شیعہ مسلمانوں کو ہر گز ایسے سستے بکاؤ قسم کا نہیں ہونا چاہیئے چاہے وہ مجبور ہو جائیں سلطان جائر سے مصالحہ کرنے پر جیسے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ ملعون سے مجبوراً مصالحت فرمائی اور تقیہ کرتے ہوئے امور مملکت اس کے سپرد کر دئے مگر اس کے باوجود آپ نے اس کی حکومت کو شرعی حیثیت کبھی نہیں دی آپ نے صلح نامہ میں یہ شرط رکھی تھی جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے مثال کے طور پر جناب شیخ صدوقؒ نے لکھا ہے کہ معاویہ اپنے آپ کو "امیر المومنین" نہیں کہلوائے گا اس شرط کے ذریعہ امام حسنؑ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر چہ

معاویہ کو حکومت سونپ دی گئی ہے لیکن وہ حاکم شرعی نہیں ہے یہ وہ حسنی سبق ہے جو ہم کو آواز دے رہا ہے کہ حاکم جائر کی شرعیت کا اعتراف نہ کرو حتیٰ کہ تقیہ کی صورت میں بھی نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ تاریخ کا دقیق مطالعہ ہمارے سامنے یہ واضح کر دیتا ہے کہ ہمارے گذشتہ علماء شیعہ کا کردار ہمارے ائمہ اطہار علیہ السلام کے کردار سے زیادہ مشابہ تھا متاخرین کی نسبت، سابق علماء اور شیعیان اہل بیت علیہم السلام آج کے شیعوں کی بنسبت اپنے دینی معاملات میں زیادہ سخت تھے کھل کر مخالفین کی مخالفت کرتے تھے اور رفض وبرائت کا بھرپور طریقہ سے اعلان کرتے تھے اور اسی روش کے باعث انہوں نے دین کے تحفظ، تشیع کی نشر واشاعت اور راہ ہدایت ورستگاری کو منور کرنے میں بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرلیں حالانکہ ان کا خون بہایاں جا رہا تھا ان کی حرمتوں کو پامال کیا جارہاہے تھا لیکن انہوں نے صبر کیا اور استقامت وپائیداری کے جوہر دکھائے اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے اللہ عزوجل انہیں جزائے خیر دے اور ثواب عظیم سے نوازے۔

اور یہ بھی طے ہے کہ متاخرین اور بعد کے آنے والے شیعوں کے پاس ان صالح رفتگان کی سیرت سے انحراف اور ان کی روش کی خلاف ورزی کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے خاص طور سے ان لوگوں نے ایسے زمانے میں ساری سختیاں برداشت کرلیں کہ جس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی حلانکہ اس وقت ان کے پاس حکومت نہیں تھی لشکر نہیں تھے، طاقت اور پارٹی نہیں تھی، نہ ہی وہ ایسے اوزار ووسائل سے لیس ہوسکتے تھے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی جان بچا سکیں یا قید وبند سے محفوظ رہ سکیں اور حکومتوں کے آدمیوں سے راہ فرار اختیار کرسکتے اور ان کا پیچھا نہ

کیا جاتا اور ان کے روزی روٹی کا سلسلہ منقطع نہ کیا جاتا لیکن یہ سب ان لوگوں نے برداشت کر لیا جبکہ آج کے شیعہ اور علماء دونوں ان سب سے آرام و اسائش میں ہیں اور اجمالی طور پر ان کے حالات بہتر اور ان کی قدرت و توانائی نسبتاً قوی ہے اور بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

نواں مقدمہ

حزب اختلاف کا پرچم شیعوں نے ہمیشہ بلند رکھا

جس روز سے سقیفہ بنی ساعدہ میں منحوس انقلاب برپا ہوا اور حکم خدا اور رسولؐ کے بر خلاف ابو بکر بن ابی قحافہ بن بیٹھا اسی روز سے شیعہ حضرات، حزب اختلاف کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں اور اپنی زبان وبیان اور قدرت و توانائی کے ذریعہ جہاد کر رہے ہیں کہ اس انقلاب کا امت اسلامی پر قائم تسلط ختم ہو۔

اس عظیم جہاد کا آغاز اس منحوس انقلاب کے وقوع پزیر ہونے کے اوائل ایام سے اس طرح ہوا کہ شیعیان اہل بیت علیہم السلام نے منافیقین اور ان کے سر غنہ لوگوں کی مکمل مخالفت کی اور امت اسلامی کو دعوت دی کہ رسول خداؐ کی مقدس وپاکیزہ وصیت کی پابندی کریں جس میں انہوں نے اپنے بعد بارہ معصوم خلفاء اور اماموں کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

اس دھوکہ باز انقلاب کے خلاف آواز اٹھانے والے بزرگ مجاہدین وہی عظیم ہستیاں اور رسول خداؐ کے چنندہ اصحاب ہیں جنہوں نے منحوس انقلاب کے وقوع پزیر ہو جانے کے بعد اپنے فریضہ کو سمجھنے کے لئے رسول خداؐ کے شرعی خلیفہ حضرت امام امیر المومنین علیؑ کی پناہ لی تو امام علیؑ نے انہیں ابو بکر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لئے للکارا اور فرمایا کہ اس کے خلاف اور اس کے غدار مددگاروں کے خلاف دلیلیں قائم کرو آپ نے فرمایا: "اس شخص (ابو بکر) کے پاس تم سب کے سب جاؤ اور جو کچھ تم نے اپنے نبیؐ سے سنا ہے اسے بتلاؤ تاکہ تمہارا موقوف دلیل و

برھان کے ذریعہ اور زیادہ قوی ہو جائے اور اس پاس کوئی عذر و بہانہ نہ رہ جائے اور جب وہ رسول خداؐ کی خدمت میں وارد ہو تو اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہ جائے (143)۔

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنی حدیث میں اس پاکیزہ گروہ کے بارے میں تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے جمعہ کے بھرے مجمع میں ابو بکر کے کلام کو قطع کر دیا تھا اور اسے رسوا کر کے رکھ دیا تھا یہ بارہ لوگ تھے مہاجرین میں سے خالد بن سعید بن عاص جو کہ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے اس کے علاوہ سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار یاسر اور بریدہ اسلمی اور انصار میں سے ابو الہیثم بن تیہان، سہل بن حنیف اور عثمان بن حنیف، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین، ابی بن کعب اور ابو ایوب انصاری۔

امام جعفر صادقؑ کی حدیث کے مطابق اس روز اس قدر سخت کلامی ہوئی کہ مسئلہ گالی گلوج اور حسب و نسب میں لعن و طعن تک پہنچ گیا خاص طور سے اس وقت جبکہ فظ غلیظ عمر بن الخطاب نے اپنے ساتھی ابو بکر کا دفاع کرنے کے لئے اور اس کی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے دخالت کی، عمر نے خالد بن سعید سے کہا کہ اے خالد تم چپ رہو تم تو نہ مشورہ لینے کے لائق ہو اور نہ ہی تمہاری رائے کسی کام کی ہوتی ہے تو خالد بن سعید نے عمر سے کہا تم چپ رہو اے عمر بن خطاب تم تو دوسرے کی زبان سے بولتے ہو خدا قسم قریش کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ تم ان کے بدترین حسب و نسب والے پست ترین کام کرنے کے ٹھکیدار ہو تمہاری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور گمنام اور ناقدرے ہو تم نے خدا اور اس کے رسول کے حوالہ سے کوئی زحمت نہیں اٹھائی

(143) احتجاج طبرسی: ج۱، ص۹۸۔ امام صادقؑ سے مروی ہے۔

ہے تم جنگوں میں ڈرپوک، کنجوس اور خبیث عنصر والے ہو تم قریش کے کسی فخر و مباہت کا حصہ نہیں ہو اور نہ ہی تم لوگوں کا جنگوں میں کوئی ذکر ہے اور تیری مثال اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے "شیطان کے مانند ہے کہ جب اس نے انسان سے کہا کہ کافر ہو جا اور جب وہ کافر ہو گیا تو بولا میں تم سے بری ہوں میں عالمین کے پروردگار، خالق سے ڈرتا ہوں آخر کار ان کا انجام یہ ہوا کہ دونوں جہنم میں ہیں اور وہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں ظالموں کی جزاء یہی ہے" یہ سن کر عمر چپ ہو گیا اور خالد بن سعید بیٹھ گئے (144)۔

جناب سلمان فارسیؓ نے اپنے خطاب کا رخ ابو بکر کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا (اس سے پہلے آپ کی گردن پر ظلم کیا گیا تھا جس کے باعث آپ درد میں مبتلا تھے) "اے ابو بکر تیرے پاس کیا عذر ہے اس بات کا جو تو نے اپنے سے زیادہ عالم و دانا، رسول خداؐ سے قرب رکھنے والے، کتاب خدا کی تاویل کو اور سنت رسول خداؐ کو سب سے زیادہ جاننے والے اور جن کو رسول خداؐ نے اپنی زندگی میں مقدم رکھا اور اپنی وفات کے وقت ان کے بارے میں وصیت کر گئے اور تم نے ان پر پیشی کی اور رسول خداؐ کے قول کو ٹھکرا دیا، ان کی وصیت کو بھول گئے، ان سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور عہد و پیمان کو توڑ دیا اور اس عقدہ کو کھول کر رکھ دیا جسے انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ باندھا تھا اور کہا تھا کہ لشکر اسامہ بن زید کے پرچم تلے جاؤ تا کہ آج جو تم نے کیا ہے وہ نہ ہو پائے اور امت کو بھی آگہی ہو جائے کہ تم کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے ہو جناب رسول خداؐ کے حکم کی مخالفت کر کے، بہت جلد تمہارے سامنے میدان صاف ہو جائے گا

(144) احتجاج طبرسی: ج ۱، ص ۹۹۔

لیکن تمہارے گناہوں کا بوجھ بڑھ جائے گا اور تم اپنی قبر کے سپرد کر دئے جاؤگے اور جو کچھ تم نے کیا ہے اسے ساتھ لے جاؤگے (145)۔

جناب مقداد بن اسود نے فرمایا اے ابو بکر ظلم سے باز آجاؤ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرو، اپنے گھر میں بیٹھو اور اپنی غلطیوں پر گریہ کرو اور یہ امر خلافت اس کے سپرد کردو جو اس کا سب سے زیادہ مستحق و اولی ہے تم خوب جانتے ہو کہ رسول خداؐ نے اس کی بیعت تمہاری گردن میں ہار کی طرح لٹکا دی ہے خدا سے ڈرو اور وقت گذر جانے سے پہلے کنارہ کش ہو جاؤ کہ یہ تمہارے حق میں موت و حیات دونوں میں بہتر ہے خبردار دنیا کے چکر میں نہ پڑو قریش اور دیگر ان تمہیں دھوکہ دینے میں کامیاب نہ ہو جائیں یاد رکھو یہ دنیا بہت جلد تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور تم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پہنچ جاؤگے پھر وہ تمہیں تمہارے کئے کی سزا دے گا تم بخوبی واقف ہو کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہی بعد رسولؐ اس خلافت کے صاحب اور مالک ہیں لہذا اللہ نے جو ان کے لئے قرار دیا ہے انہیں کے سپرد کردو کہ یہی تمھارے گناہوں کی پردہ پوشی اور جرائم کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں مددگار ہوگا (146)۔

جناب بریدہ اسلمی کھڑے ہوئے اور کہا انا للہ و انا الیہ راجعون آخر حق کو باطل سے کتنی اذیتیں اٹھانی پڑیں گی اے ابو بکر کیا تم بھول گئے یا بھولنے کا ناٹک کر رہے ہو تم دھوکہ میں ہو یا تمہارا نفس تمہیں دھوکہ دے رہا ہے اور تمہارے لئے باطل کو خوشنما جلوہ دکھا رہا ہے کیا تمہیں یاد

---

(145) احتجاج طبرسی: ج ۱، ص ۱۰۰۔

(146) احتجاج طبرسی: ج ۱، ص ۱۰۱۔

نہیں رہا کہ ہمیں رسول خداؐ نے حکم دیا تھا کہ ہم حضرت علیؑ کو امیر المئو منین کہہ کہ سلام کریں جبکہ جناب رسول خداؐ ہمارے درمیان موجود تھے اور انہوں نے متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا تھا کہ یہ علیؑ مومنین کے امیر و سردار ہیں اور قاسطین کو قتل کرنے والے ہیں خدا سے ڈرو اور اس سے پہلے کہ تم اپنے نفس کا خمیازہ بھگتو اس کا جائزہ لے لو اور اس کو ہلاکت کے دہانہ پر پہنچنے سے بچالو اور یہ امر خلافت اس کے سپرد کر دو کہ جو تم سے زیادہ اس کا اہل و اولی ہے اس کے غصب کرنے پر ڈٹے نہ رہو لوٹا دو ابھی تم لوٹانے کی سکت رکھتے ہو تمہیں میں نے خلوص کے ساتھ نصیحت کر دی ہے اور راہ نجات دکھادی ہے تو دیکھو مجرموں کے مدد گار مت بنو(147)۔

اور اس طرح کے کلمات ابو بکر، عمر، ابو عبیدہ کے سروں پر میزائل کی طرح پے در پے گرتے رہے یہی تین سرغنہ تھے جنہوں نے سقیفائی خلافت کی بنیاد مضبوط کی تھی لیکن مذکورہ بزرگوں نے خاموشی اختیار نہیں کی اور نہ ہی ان کے پیروکاروں سے کوئی سمجھوتہ کیا بلکہ پہلے دن سے بھی رفض و انکار پر ڈٹے رہے اور رافضیت کی بنیاد مضبوط کرتے گئے۔

شکنجہ اور سخت گیری گزشتہ شیعوں کو ڈرا نہیں سکی اور نہ ہی انہوں نے وحدت اسلامیہ کی منطق کو تسلیم کیا

سقیفائی سلطنت کے قہر و شکنجہ کا خوف گزشتہ کے بہادر شیعوں کو ڈرا دھمکا نہ سکا بلکہ قہر و شکنجہ ان کے عزم و ارادہ میں پختگی ہی لاتا رہا اور ان کے قلب و جگر، روح انتقام اور جذبہ انقلاب

(147) احتجاج طبرسی: ج ۱، ص ۱۰۱۔

سے سرشار ہوتے رہے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ زہرأ کے اوپر قہر ڈھایا گیا اور ان کی ہتک حرمت کی گئی جس نے شیعوں کے دلوں کو جزبہ انتقام سے لبریز کر دیا یہ حادثہ کالی کلوٹی کنیز صہاک کی نجس اولاد عمر ابن خطاب کی قیادت میں رونما ہوا اور ان مجرموں نے جناب زہرأ کے بیت شرف پر دھاوا بول دیا تا کہ آپ کے شوہر نامدار حضرت امام امیر المومنینؑ کو زبردستی بیعت کے لئے لے جا سکیں۔

ایک اور دکھ و درد بھری داستان جس نے شیعوں کو خون کے آنسوں رلا دیا وہ ایک مومنہ خاتون ام فروہ انصاریہ رضوان اللہ علیہا کی ہے جنہوں نے ایسا شجاعانہ اقدام کیا کہ جس کے کرنے سے آج کے شیعہ مرد بھی گھبراتے ہیں ان کے اس دلیرانہ اور تاثیر گزار تحرک اور اقدام نے ابو بکر کے اوسان خطا کر دئے اور اس ملعون نے جناب ام فروہ خاتون کو شہید کر دیا۔

جناب سلمان فارسی کا بیان ہے کہ انصار کی ایک خاتون جن کا نام ام فروہ تھا وہ ابو بکر کی بیعت کے خلاف اور لوگوں کو حضرت امیر المومنین علیؑ کی بیعت کرنے پر للکارا کرتی تھیں یہ بات کسی نے ابو بکر سے جا کر کہہ دی اس نے ام فروہ کو بلوا بھیجا اوران سے توبہ کرنے کو کہا جناب ام فروہ نے صاف انکار کر دیا تو ابو بکر نے کہا اے دشمن خدا کیا تم لوگوں کو تفرقہ کے لئے بھڑکاتی ہو اور جس چیز پر مسلمانوں نے اتحاد کر لیا ہے اس کے خلاف اکساتی ہو بتاؤ تمہارا میری امامت کے بارے میں کیا خیال ہے جناب ام فروہ نے کہا تو امام ہی نہیں ہے ابو بکر بولا پھر میں کون ہوں وہ بولیں کہ تو اپنی قوم کا ٹھیکدار ہے بس، تیرے لوگوں نے تجھے سربراہ بنالیا ہے اور جب وہ چاہیں گے تجھے معزول کر دیں گے امام تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے مختص و منصوب ہوتا ہے جو

ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور اسے مشرق و مغرب میں کیا اچھائی یا برائی ہو رہی ہے اسے پتہ ہوتا ہے سورج نکلے یا چاند اس کا سایہ نہیں ہوتا اور یاد رکھ کہ بت پرست کے لئے امامت جائز ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ امام بن سکتا ہے جس نے کفر اختیار کر رکھا تھا پھر مسلمان ہو گیا ہے اے فرزند ابو قحافہ اب تو ہی بتا کہ تو ان دونوں قسموں میں سے کس میں شامل ہے ؟! ابو بکر بولا میں ان اماموں میں سے ہوں جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے چن لیا ہے جناب ام فروہ نے کہا تو خدا پر افتراء پر دازی کر رہا ہے اور اگر تو ان لوگوں میں سے ہوتا جنہیں اللہ نے منتخب فرمایا ہے تو تیرا ابھی ذکر اس کی کتاب میں ہوتا جس طرح غیروں کا ذکر ہے ارشاد قدرت ہوتا ہے "اور ہم نے ان میں سے بعض کو جب ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا تو امام قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں" اے ابو بکر وائے ہو تجھ پر اگر تو بر حق امام ہے تو بتا کہ دنیا کے پہلے آسمان کا نام کیا ہے دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا نام کیا ہے ؟! ابو بکر متحیر رہ گیا اور کوئی جواب نہیں دے سکا ہوا کھسیایا ہوا بولا: ان کے نام کا علم ان کے خالق اللہ عزوجل کو ہے، جناب ام فروہ نے کہا کہ اگر عورتوں کے لئے یہ جائز ہوتا ہے کہ وہ مردوں کو تعلیم دیں تو میں تجھے ان کے نام ضرور بتا دیتی، ابو بکر بولا: اے دشمن خدا اگر تو نے ایک ایک کر کے سارے آسمانوں کے نام نہ بتلائے تو میں تجھے قتل کر دوں گا ام فروہ نے کہا کیا تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے خدا کی قسم مجھے اس کی کوئی پروہ نہیں ہے کہ میرا قتل تجھ جیسے لوگوں کے ہاتھوں ہو لیکن میں تجھے ان کے اسماء بتائے دیتی ہوں دنیا کے پہلے آسمان کا نام ایلول ہے دوسرے کا نام زبنول ہے تیسرے کا نام سحقوم ہے چوتھے کا نام ذیلوں ہے پانچویں کا نام ماین ہے چھٹے کا نام ماحیز ہے اور ساتویں کا نام ایوث ہے یہ سن کر ابو بکر اور اس کے ساتھی مبہوت و متحیر ہو کر رہ گئے اور ام فروہ

سے بولے تو علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں کیا کہتی ہے جناب ام فروہ نے کہا بھلا میں کیا کہہ سکتی ہو اماموں کے بھی امام، وصیوں کے وصی، جن کے نور سے زمین اور آسمان چمکے اٹھے ہیں اور جنکی حقیقی معرفت کے بغیر توحید بھی کامل نہیں ہے لیکن تو ان کی بیعت توڑ بیٹھا ہے اور تو نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا ہے تو نے اپنے دین کو دنیا کی خاطر بیچ دیا ہے ابو بکر بولا اس عورت کو قتل کر دو کہ یہ مرتد ہو گئی ہے اور ام فروہ کو شہید کر دیا گیا[148]۔

آپ اس داستان میں ملاحظ کر رہے ہیں کہ کس طرح اس رافضیہ خاتون کے وجود میں ایمان اور مضبوط عقیدہ کی سوجھ بوجھ کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ وہ ابو بکر کے فریب میں نہیں آئی اور اس کی چال سے انہوں نے دھوکہ نہیں کھایا ابو بکر نے احتجاج کرتے ہوئے یہ کوشش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کے لئے کام کر رہا ہے اور ام فروہ سے بولا تھا کہ اے دشمن خدا تم مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ اور ان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا چاہتی ہو[149]۔ مگر جناب ام فروہ رحمۃ اللہ علیہا اس کے دھوکہ میں نہیں آئیں جس فریب و دھوکہ میں آج ہر وہ شخص پناہ لے رہا ہے جسے حق گوئی کا درد نہیں ہوتا ہے اور اہل حق کی نصرت راس نہیں آتی ہے۔

---

(148) الخرائج والجرائح قطب راوندی: ج ۲، ص ۵۴۸۔

(149) یہ غلط روش آج بھی بعض دعوی شیعیت کرنے والوں نے اپنا رکھی ہے جو نہ سمجھی میں یا دانستہ طور پر گزشتہ زمانے کے شیعوں کی روش کے خلاف ہے کہ جنہوں نے اعلان برائت اور تبرا کا پرچم لہرانے میں اوائل کے بزرگوں کی سیرت اپنا رکھی تھی اور ان بزرگ ہستیوں میں سے ایک یہ عظیم خاتون جناب ام فروہ انصاریہؓ تھیں۔

شیعوں کے سنہرے دور میں مخالفین، تینوں ملعونوں کا ذکر خیر کرنے سے ڈرتے تھے

شیعیان اہل بیتؑ نے گذشتہ صدیوں میں گھٹنے نہیں ٹیکے اور انہوں نے برائت ور فض کی روش وراہ کو جاری رکھا حالانکہ انہیں بہت بھاری قیمت اپنی جانوں کی قربانی دیکر چکانی پڑی یہاں تک کہ اپنے سنہرے دور میں اپنے مخالفین کو اس حقیقت کے باور کرانے میں کامیاب رہے کہ ہمارے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے تو ابو بکر، عمر، عثمان کی مدح وثنا ممنوع ہے اوران کے حق میں رضی اللہ عنہ کہنے کی اجازت نہیں ہے اور وہ لوگ اس سے باز بھی رہے کیوں؟ صرف شیعوں کے خوف اوران کے رد عمل سے ڈر کر۔

شیعوں کے سنہرے دور سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے ہاتھ سلطنت تھی نہیں بلکہ جس زمانہ میں سلطنت ان کے مخالفین کے ہی ہاتھوں میں تھی لیکن اس کے باوجود شیعیان اہل بیتؑ نہ تو سنیوں سے ڈرتے تھے اور نہ ہی ان کے سربراہوں سے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب سلطنت بھی شیعوں سے ڈرنے لگے اور مخالفین کے دلوں میں ان کا خوف بیٹھا رہا۔

لیجئے بطور نمونہ دوسری صدی کا ایک واقعہ جسے مزی نے اپنے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو خلف بن تمیم تیمی کہتا ہے کہ ابن مبارک کا کہنا ہے جو شخص جام شہادت نوش کرنا چاہتا ہے وہ کوفہ کہ دار البطیخ چلا جائے اور وہاں کہے "رحم اللہ عثمان " خلف کہتا ہے کہ ایک روز میں کوفہ گیا میں نے چاہا کہ اپنی انگلی اپنے کان میں ڈال کر بلند آواز سے "رحم اللہ عثمان " کی

صدا بلند کروں کہ میری نظر شیعوں کے ترازو۔ٹکھرے پر پڑی تو میں نے دل ہی دل میں کہا اے خلف تو ادھر بولا اور وہ ادھر تجھے ترازو۔ٹکھروں سے پیٹ دیں گے اپنی جان بچالے[150]۔

خلف بن تمیم کا ایک استاد بھی کوفی تھا جس کا نام محمد بن عبد العزیز تیمی ہے وہ کوفہ میں سنیوں کی اقلیت سے تعلق رکھتا تھا اور ابو بکر کے لئے بڑا تعصب رکھتا تھا کیونکہ وہ ابو بکر کے قبیلہ تیم سے تعلق رکھتا تھا لیکن چونکہ کوفہ میں شیعوں کے درمیان ببانگ دہل برائت ورفض کی ثقافت رائج تھی لہذا وہ مجبور ہو کر اور بڑی ذلت ورسوائی کے ساتھ کوفہ سے باہر نکل آیا کہ "میں اس شہر میں رہ ہی نہیں سکتا جس میں اصحاب رسول خداؐ کو گالیاں دی جاتی ہے[151]۔

یہ جملہ آپ کے یقین میں اضافہ کا باعث ہے کہ کس طرح شیعیان اہل بیتؑ سنی ماحول اور حکومت کے دور میں بھی ہیبت و دبدبہ برقرار رکھنے میں کامیاب تھے کہ مخالفین کو اپنے شہر و دیار میں بھی طاغیوں کی مدح و ثناء کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی یا پھر وہ شہر چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور تھے جبکہ قدرت و سلطنت شیعوں کے ہاتھ میں بھی نہیں تھی بلکہ بنی عباس کے سرکشوں اور ان کے سنی گورنروں کے ہاتھ میں تھی لیکن حقیقی طاقت شیعوں کے پاس ہی تھی اور وہ ہے قوت ایمان و قدرت رفض و تبراء، اسی لئے اللہ کی مدد بھی ان کے شامل حال تھی کیونکہ وہ سچے تھے انہوں نے جو عہد و پیمان اللہ سے باندھا تھا اس پر عمل پیرا رہے کوئی تبدیلی اپنے موقف میں

(150) تہذیب الکمال مزی: ج۸، ص۲۷۸۔

(151) الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم: ج۸، ص۶۔

نہیں لائی تو اللہ نے بھی ان کے مخالفین کے دلوں میں رعب و دبدبہ بیٹھا دیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ کچھ مخالفین کو گونگا بنانے میں کامیاب رہے اور کچھ کو شہر بدر ہونے پر مجبور کر دیا تھا[152]۔

اگر کوفہ میں شیعوں کے خوف سے خلف بن تمیم عثمان پر رحمت کی دعا کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تو کیا ہوا ایک دوسرا شخص نے جو اس سے بھی خبیث تھا اسنے عثمان سے بھی بدتر ملعونوں پر رحمت کی دعا کرنے کی جرأت کی یہ شخص سنیوں کے نزدیک بڑی عظمتوں کا حامل ہے، شمس الدین ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے "امام حافظ فاضل یکتا اور حجت"[153] یہ شخص پانچویں صدی ہجری کا حافظ قرآن اور بڑا عالم تھا جس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ شامی صوری تھا۔

ابن جوزی بیان کرتا ہے کہ یہ شخص کوفہ آیا تا کہ وہاں کے علماء و محدثین سے حدیثیں اخذ کرے لیکن وہاں ایک بڑے جرم کا مرتکب ہو گیا اس نے وہاں دونوں سرکشوں ابو بکر و عمر پر رحمت کی دعا کر دی جس کی وجہ سے دہاں کے شیعہ اس کے اوپر بھڑک اٹھے اور اگر اس نے

(152) قرانی ادب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے آیت کریمہ کا مصداق بنے ہیں جس می ارشاد ہوتا ہے "مومنین میں ایسے بھی مرد میدان ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی ہے تا کہ خدا صاقین کو ان کی صداقت کا بدلہ دے اور منافقین کو چاہے تو ان پر عذاب نازل کرے یا ان کی توبہ قبول کر لے کہ اللہ یقینا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے اور خدا نے کفار کو ان کے غصہ سمیت واپس کر دیا کے وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے مومنین کو جنگ سے بچا لیا اور اللہ بڑی قوت والا اور صاحب عزت ہے اور اس نے کفار کی پشت پناہی کرنے والے اهل کتاب کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ تم ان میں سے کچھ کو قتل کر رہے تھے اور کچھ کو قیدی بنا رہے تھے۔ سورۂ احزاب: آیت ۲۴،۲۷۔

(153) سیر اعلام النبلاء ذہبی: ج۱۷، ص۶۲۷۔

شیعوں ہی کے ایک علوی سردار کی پناہ نہ لی ہوتی تو قتل کر دیا جاتا ابن جوزی لکھتا ہے شامی صوری کوفہ گئے وہاں انہوں نے چار سو شیوخ سے حدیثیں سنیں وہاں وہ سنت کا اظہار کرتے تھے اور ابو بکر و عمر پر رحمت کی دعا کرتے تھے جس کی وجہ سے اہل کوفہ بھڑک گئے اور انہیں قتل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ابو طالب بن عمر علوی کی پناہ لی اور ابو طالب صحابہ پر سب و شتم کرتے تھے لیکن انہیں پناہ دے دی[154]۔

صوری کے اوپر اہل کوفہ نہیں بھڑکے تھے مگر صرف اس لئے کہ وہ ان کے درمیان سب سے بڑے جرم کا مرتکب ہوا تھا اور وہ سب سے بڑا جرم تھا رسول خداؐ کے ساتھ خیانت کرنے والے، ان کے اہل بیت طاہرینؑ پر ظلم و ستم کی بنیاد رکھنے والے دو ملعونوں پر رحمت کی دعا، اگر صوری کو خوف خدا ہوتا تو وہ دین کے خلاف شورش کرنے والے ان دونوں خبیثوں پر رحمت کی دعا نہ کرتا اور شیعوں کے خلاف ان کے ہی شہر میں نفرت و بیزاری نہ پھیلاتا جبکہ وہ جانتا تھا کہ شیعوں کے دلوں میں ابو بکر و عمر کے لئے کتنا غیض و غضب پایا جاتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس شہر میں سوائے ابو بکر و عمر پر لعن و طعن کے اور کچھ سننے کو نہیں ملے گا اور اسے یہ ناپسند تھا تو سیدھے شہر چھوڑ کر چلے جانا چاہیئے تھا جیسے کہ محمد بن عبد العزیز نے کیا تھا جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

(154) المنتظم لابن جوزی: ج ۱۵، ص ۳۲۲۔

قتل و کشتار کے باوجود بھی شیعیان اہل بیتؑ کیونکر تینوں پر لعنت سے باز نہیں آتے تھے؟!

صرف عراق ہی وہ ملک نہ تھا جہاں کھلم کھلا کفر و نفاق اور سرکش و انحراف کے سربراہوں پر لعنت ہوتی تھی بلکہ جہاں بھی شیعہ سکونت اختیار کرتے تھے وہاں یہی صورت حال ہوتی تھی اور وہاں رفض و تبراء کی صدا بلند ہوا کرتی تھی اسی لئے جباران بلاد ان کے حق میں بدترین ظلم و ستم اور قتل و کشتار کے مرتکب ہوتے تھے جیسے کہ وہ ہولناک کشت و کشتار جس کا تذکرہ ابن اثیر نے ۴۰۷ھ کے واقعات میں کیا ہے وہ کہتا ہے کہ "اس سال محرم میں شیعہ لوگ افریقہ کے ہر شہر و دیار میں بری طرح قتل کئے گئے اور اس کا سبب یہ تھا کہ معز بن بادیس ، قیروان کے علاقہ میں پیدل چل رہا تھا اور لوگ اس کے اوپر سلام کر رہے تھے اور اسے دعائیں دے رہے تھے اس کا گذر ایک گروہ کے پاس سے ہوا تو ان کے بارے میں اس نے پوچھا کسی نے کہا یہ رافضی لوگ ہیں جو ابوبکر، عمر کو سب و شتم کرتے ہیں معز نے کہا ابوبکر، عمر سے خدا راضی و خوشنو ہو جائے، یہ سن کر سنی لوگ قیروان کے درب محلی کی طرف ٹوٹ پڑے یہ وہ جگہ تھی جہاں شیعہ لوگ جمع ہوتے تھے اور وہاں موجود لوگوں کو سنیوں نے قتل کر ڈالا اور لشکر والوں کو تو اس عمل میں زیادہ دلچسپی تھی تاکہ مال و اسباب زیادہ سے زیادہ ہاتھ لگیں سنیوں نے شیعوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا اور ان لوگوں کو قیروان کے گونر نے للکارا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ گونر نے وہاں کے علاقہ کو خوب سجایا تھا لیکن اسے پتہ چلا کہ معز بن بادیس اس کو معزول کرنے ارادہ رکھتا ہے لہذا اس نے تباہی کی سوچ لی جس کے نتیجہ میں شیعوں کی بڑی تعداد قتل ہو گئی بہت سوں کو آگ میں جلا دیا گیا اور ان

کے گھروں کو لوٹ لیا گیا اور افریقہ کے تمام شہروں اور علاقوں میں شیعوں کے ساتھ یہی ہوا شیعوں کا ایک بڑا مجمع قیروان کے قریب قصر منصور میں جمع ہو کر پناہ گزیں ہوا تو سنیوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کے محاصرہ کو تنگ سے تنگ تر کرتے گئے بالآخر وہ لوگ بھوک پیاس سے بلبلا اٹھے اور یکے بعد دیگر قصر سے نکلنا شروع کر دیا اور لوگ انہیں قتل کرتے جا رہے تھے یہاں تک کہ وہاں پناہ گزیں تمام شیعوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور شیعوں کا جو مجمع مہدیہ سے آکر مسجد میں پناہ گزیں ہوا تھا یہاں انہیں بھی قتل کر دیا گیا[155]۔

وہ واقعات جو آپ کو اس حقیقت سے واقف کریں گے کہ شیعہ لوگوں نے کبھی بھی ابو بکر و عمر کا تذکرہ اپنے مجمع یا اپنی بزم میں نہیں ہونے دیا ایک واقعہ ماہ ربیع الاول ۴۲۲ھ بغداد شہر کا ہے جن دنوں ایک عمری سپہ سالار نے عباسی خلیفہ سے جنگ کا منشور حاصل کر لیا جس کے بعد وہ خلافت کا پرچم لیکر نکلا اور اس کے ساتھ مسلح لوگ چل پڑے اور چاروں طرف سے سنی اپنی آواز بلند کر رہے تھے یہ لوگ سب کے سب بغداد کے شیعہ محلوں میں اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کر رہے تھے اور زبردستی اور جان بوجھ کر بھڑکانے کے لئے ابو بکر و عمر کا نام لیکر چیخ رہے تھے۔

اگر چہ اس وقت شیعوں کو تقیہ کرتے ہوئے اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے سکوت اختیار کرنا ممکن تھا مگر رافضیت کے مبادی و اصولوں سے گہرا تمسک انہیں اس بات کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور ابو بکر و عمر کی تعریف سنتے رہیں اس لئے کہ وہ اس چیخ پکار کو اپنی توہین سمجھ رہے تھے اور اپنی عزت و آبرو کے خلاف گردان رہے تھے اسی

(155) تاریخ کامل ابن اثیر: ج۷، ص۶۵۹۔

لئے جب انہوں نے اس قسم کا فوجی پریڈ اور نفرت آمیز نمائش جس میں جبت و طاغوت کا نام لیا جا رہا تھا دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اور فوجیوں کو پتھر مارنا شروع کر دیا حالانکہ انہیں نتائج کا اندازہ تھا اور وہ بخوبی جانتے تھے کہ ان کے اوپر کیا بلاء آنے والی ہے اس لئے کہ قوت و طاقت میں برابری تھی ہی نہیں وہ اسلحہ سے لیس تھے اور ان کے ہاتھوں میں صرف پتھر تھے اور آخر کا وہی ہوا جس کی توقع تھی فوجیوں نے شیعوں پر دھاوا بول دیا اور ان کے ساتھ سنیوں کا مجمع بھی شیعوں پر ٹوٹ پڑا اور شیعوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی ان کے بازاروں کو لوٹ لیا گیا اور یہ اس قتل غارت گری کا سلسلہ چلتا رہا(156)۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس قدر بھیانک قتل و غارت گری اور مجرمانہ کشت و کشتار کے باوجود شیعہ لوگ ببانگ دھل، دشمنان محمد وآل محمدؐ سے تبراء و بیزاری کا کھلم کھلا اعلان سے باز نہیں آئے بلکہ ان کا اصرار اور علانیہ تبراء بڑھتا جاتا تھا گویا وہ جان بوجھ کر اپنی جانوں کا نذرانہ قرب خدا اور رسولؐ اور معصومینؑ حاصل کرنے کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھتے تھے اس طرح کا ایک واقعہ جو بغداد ہی میں رونما ہوا ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ کس طرح ایک شیعہ شاعر ابن قرایا رضوان اللہ علیہ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا یہ واقعہ ۵۴۷ھ کا ہے سنیوں نے بڑے وحشیانہ طریقہ سے شاعر اہل بیتؑ کو شہید کیا ان مجرموں نے صرف اعضاء بدن کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کئے بلکہ شہید کرنے کے بعد ان کے لاشے کو بغداد کی گلیوں اور میدانوں میں کھینچتے پھر رہے تھے ابن کثیر کے الفاظ سنیں: "اور اس سال بغداد میں رافضیوں کے ایک شاعر کو گرفتار کر لیا گیا

(156) تاریخ کامل ابن اثیر: ج۷، ص۴۸۷۔

جس کا نام ابن قرایا تھا جو بازاروں میں کھڑا ہو کر صحابہ کی مذمت میں اشعار پڑھتا تھا اور صحابہ پر سب و شتم کرتا تھا اور ان کے چاہنے والوں کی ہجو کرتا تھا ایک دفعہ خلیفہ کے حکم سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا اور اسے بلوایہ گیا تو وہ بہت بڑے قسم کا رافضی نکلا ء فقہاء نے اس کی زبان اور دونوں ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دے دیا تو اس کی زبان اور ہاتھ کو کاٹ دیا گیا پھر سنیوں نے اس کو اغواء کر لیا اور اینٹ پتھر سے اس کو اتنا مارتے رہے کہ اس نے دجلہ میں اپنے کو گرادیا لیکن لوگوں نے اسے وہاں سے نکال کر قتل کر دیا اور پھر ایک رسی سے لیکر اس کی ٹانگوں کو باندھا اور پھر شہر کے گوشہ گوشہ میں اسے گھسیٹتے ہوئے پھر رہے تھے [157]۔

جناب ابن قرایا رضوان اللہ علیہ نے ایک مومنہ رافضہ بیٹی چھوڑی تھی جو باپ کے بڑی بے دردی سے شہید کئے جانے سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی اور بھیانک طریقہ سے باپ کی شہادت نے اس مومنہ کے پیروں میں کپکپی پیدا نہیں کی تاریخ بتلاتی ہے کہ اس خاتون نے بڑی دلیری و بہادری اور عجیب و غریب طرح کی دھمکی کے ساتھ عائشہ ام الجمل پر لعنت کرنے کے لئے للکارتی تھی اور عباسی خلیفہ کے سامنے اس مومنہ نے عائشہ پر لعن وطعن کی حالانکہ ان کے پدر بزرگوار کی شہادت اور لاش کو گلی کوچے میں تشہیر کے صرف ۸ سال ہی گذرے تھے۔

شمس الدین ذہبی لکھتا ہے کہ ۵۸۲ھ عاشورا کے دن نوبت یہاں تک پہنچی کہ صحابہ پر گالیاں دی جارہی تھی اور اہل کرخ چیخ چیخ کر صحابہ پر لعن وطعن کر رہے تھے اور کچھ بھی پوشیدہ نہیں تھا سب علانیہ تبراء کر رہے تھے اور ابن قرایا کی بیٹی پیش پیش تھی جس کے باپ کی زبان و

(157) البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ج۱۶، ص۵۳۱۔

دست وپا کو ظہیر بن عطا نے کاٹ ڈالا تھا اور عوام نے مارتے مارتے اسے جان سے مار ڈالا تھا اور گھر کو منہدم کر دیا تھا اور اس کے گھر سے سب صحابہ پر مشتمل بہت سی کتابیں بر آمد کی تھیں یہ عورت خلیفہ کی نگاہوں کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی اور وہ عونی شاعر کے اشعار پڑھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ "اونٹ والی پر لعنت کرو" (158)۔

رافضی شعراء نے صدیوں سے کھلے عام تبراء اور رافضیت کو مضبوط کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے اور جس جس نے ابو بکر وعمر پر فخر ومباہت کی اس کا کھل کر مقابلہ کیا ہے مثال کے طور پر حجاز کے ایک شخص نے صاحب بن عباد سے ملاقات کی اور انہیں ایک رقعہ پیش کیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں ابو بکر صدیق کی اولاد میں سے ہوں جناب صاحب بن عباد نے اس تحریر کی پشت پر یہ اشعار لکھ کر بھیج دیا "میں رفض وتبراء میں برسوں سے معروف ہوں میں پسند ہی نہیں کرتا کہ روئے زمین پر کوئی بکری وعمری زندہ رہے مجھے عترت رسول خداؐ یعنی خاندان ہدایت کے ساتھ چھوڑ دو کہ میں بس انہیں سے محبت کرتا ہوں جس طرح تم لوگوں سے بغض وکینہ رکھتا ہوں (159)۔

صدائے تبراء بلند رکھنے کے لئے شہادت طلبی کے کارنامے

لعنت وتبراء کی گونج دور دراز تک پہنچانے کے لئے مسجد ضلال وضرار اور ناصبیوں کے گھونسلوں میں ہلچل مچانے کے لئے بہت سے شیعوں نے دلیرانہ اور شہادت طلبی کے شجاعانہ اعمال

---

(158) تاریخ اسلام ذہبی: ج ۱۲، ص ۲۶۹۔

(159) دیکھئے کتاب صراط مستقیم علامہ بیاضی نباطی: ج ۳، ص ۷۶۔

انجام دئے ہیں ان واقعات میں سے ایک جناب علامہ حلی کے ایک ہونہار شاگرد یا صحابی (خداوند متعال ان سب سے راضی اور خوشنود ہو جائے) جناب شہید سعید علی ابن ابو الفضل محمد حسین بن کثیر رضوان اللہ علیہ ہیں جنہوں نے دمشق کی مسجد اموی میں نادر و انوکھی جرائت سے کام لیا اور مسجد اموں میں ہلچل مچادی آپ نے بلند آواز سے صداء لعنت بلند کرتے ہوئے فرمایا خدایا آل محمد علیہم السلام پر ظلم و ستم کرنے والوں میں پہل کرنے پر لعنت بھیج پھر کیا تھا آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور مقصد پوچھا گیا تو آپ نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ ان کا مقصد ابو بکر ہے پھر اٹھ کے کھڑے ہو گئے اور پھر بھرے مجمع میں ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ اور یزید پر بلند آواز سے لعنت کرنا شروع کر دی اور کوڑوں کے عذاب نے آپ کی آواز کو خاموش نہیں کیا یہاں تک کہ مجرموں نے مار مار کر آپ کو شہید کر ڈالا اور آپ کے سر اقدس کو دمشق کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔

اس ہولناک جرم کے سلسلہ میں ملعون ابن کثیر جو کہ وہاں حاضر تھا اور اس جرم میں اس کا بھی ہاتھ تھا وہ ۵۵۷ھ کے واقعات میں لکھتا ہے کہ دو شنبہ کے دن ۱۶ جمادی الاول کو حلہ کے ایک رافضی کا گذر دمشق کی مسجد اموی کے پاس سے ہوا نماز عصر کا وقت تھا وہ آکے آل محمدؐ کے اوپر ظلم کرنے میں پہل کرنے والے پر سب و شتم کرنے لگا اور بار بار وہ لعنت کرتا جا رہا تھا رک ہی نہیں رہا تھا اس نے لوگوں کے ساتھ نماز جماعت بھی نہیں پڑھی (160)۔ اور نہ وہاں آئے ہوئے جنازہ پر نماز جنازہ میں شرکت کی بلکہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور وہ بار بار لعنت کرتا جا رہا تھا اور بلند آواز سے تبراء کر رہا تھا جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ

---

(160) کیونکہ وہ نماز عصر تھی اور مخالفین نماز عصر کو سنت کے خلاف تاخیر کرتے ہیں جبکہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کو مقدم کی جائے اور ظہر کے ساتھ جمع کر کے پڑھا جائے مگر یہ کہ نوافل پڑھنا ہو اور شہید مذکور نے ایسا ہی کیا ہے یہی شیعوں کا شعار رہا ہے۔

کیا تو ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا وہاں جنازے کے ساتھ آئے ہوئے بہت سے لوگوں میں شافعی قاضی القضاۃ بھی آئے ہوئے تھے میں اس کو پکڑ کر قاضی القضاۃ کے پاس لے گیا اور اس سے بولنے کے لئے کہا کہ بتلاؤ آل محمد پر ظلم کی پہل کرنے والا کون ہے اس نے کہا ابو بکر (الصدیق) [161]۔ پھر وہ بلند آواز سے بولا جبکہ سارے لوگ سن رہے تھے، اللہ عزوجل ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ اور یزید پر لعنت کرے اور اس نے یہ جملہ دھرایا تو حاکم نے اسے زندان میں ڈالنے کا حکم دے دیا پھر قاضی مالکی نے اسے حاضر ہونے کا حکم دیا جب وہ آگیا تو اسے کوڑے لگائے گئے لیکن اس کے باوجود وہ چلا چلا کر سب و شتم اور لعن و طعن کرتا رہا اور ایسی باتیں اس سے صادر ہوتی رہیں کہ جو سوائے ایک بدبخت شخص سے اور کسی سے صادر نہیں ہو سکتیں اور اس لعین کا نام علی ابن ابو الفضل بن محمد بن حسین بن کثیر تھا خداوند متعال اس کو ذلیل و رسوا کرے جب روز جمعرات ۱۹ تاریخ ایک جلسہ اس کے سلسلہ میں منعقد ہوا جس میں چاروں فقہ کے قاضی دار السعادۃ میں جمع ہوئے تو اس کو بلایا گیا تو اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مالکی قاضی نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کیا فوراً اسے وہاں سے لے جایا گیا اور قتل کر دیا گیا قلعہ کے نیچے اس کی گردن اڑادی گئی اور عوام نے اس کے لاشہ کو آگ لگا دی اور اس کے سر کو پورے شہر میں گھمایا گیا اور یہ ندا دی جارہی تھی "یہ اصحاب رسول خداؐ کو گالیاں دینے والے کی سزاء ہے" میں نے اس جاہل کے ساتھ مالکی قاضی کے گھر پر مناظرہ بھی کیا تھا تو مجھے پتہ چلا کہ اس کے پاس وہ عقائد و معلومات ہے جو رافضی غالیوں کے یہاں

---

(161) صدیق کا لفظ اس ناصبی ابن کثیر نے اضافہ کیا ہے ورنہ کوئی شیعہ ابو بکر کو صدیق نہیں کہتا ہے بلکہ اس سے تبراء کرتا ہے اور بھلا کون عقل مند یہ تسلیم کرے گا کہ جو شخص آل محمدؐ پر ظلم کرنے والے پہلے کتے پر لعن طعن کر رہا ہو جب اس سے پوچھا جائے کہ پہلے ظالم سے تیری مراد کیا ہے اور وہ صریحی طور پر اعلان کر رہا ہو کہ پہلا ظالم ابو بکر ہے تو وہ بھلا اس کو صدیق کے لفظ کے ساتھ کیسے یاد کرے گا؟۔

ہو تا ہے اس نے ابن مطہر (علامہ حلیؒ) کے اصحاب سے بہت سے کفریات اور خرافات کو سیکھ رکھا تھا خداوند متعال اس کو اور ابن مطہر کے اصحاب کو روسیاہ کرے[162]۔

یہ واقعہ ایک دوسرے واقعہ کے مشابہ ہے جس کے ہیرو ایک جدید شیعیت اختیار کرنے والے ہیں ہماری مراد علامہ شہید سعید جناب محمود بن ابراہیم الشیرازی رضوان اللہ علیہ ہیں آپ دمشق کے حنبلی طالب علم تھے پھر شیعہ رافضی ہو گئے تو آپ کو چالس دن تک جیل میں رکھا گیا لیکن وہ شیعیت اور رافضیت سے روگرداں نہیں ہوئے واقعہ یوں ہے کہ آپ دمشق کی مسجد اموی میں داخل ہوئے اور کھلم کھلا لوگوں کے سامنے ابو بکر و عمر پر سب و شتم کرنے لگے آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور سزا دینے کے لئے لے جانے لگے لیکن آپ منحرف نہیں ہوئے اور سزا و شکنجہ کے باوجود کبھی ولایت اہل بیتؑ کا اظہار کرتے تو کبھی دشمنان اہل بیتؑ سے برائت و بیزاری کرتے بالآخر سنی اوباش آپ کے اوپر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اورآخر کار ظالموں نے آپ کی گردن کاٹ دی اور جسم کو آگ لگادی۔

اس بھیانک جرم اور واقعہ کی تفصیل کو ابن عماد حنبلی نے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے "اور جمعرات ۱۷ صفر ۶۶ے ھ کو مسجد اموی و دمشق میں ایک شخص جس کا نام محمود بن ابراہیم شیرازی تھا ابو بکر و عمر پر کھلم کھلا تبرا کرتے ہوئے پایا گیا تو اسے قاضی القضاۃ مالکی جمال الدین مسلاتی کے پاس لے جایا گیا اور اس سے توبہ کرنے کی مانگ کی گئی اور جلادوں کو بلایا گیا لیکن پہلی ضرب پر وہ بولا "لا الہ الا اللہ علی ولی اللہ " اور جب دوسری ضرب لگائی گئی تو اس نے ابو بکر و عمر پر سب و شتم کیا

(162) البدایۃ والنہایۃ ابن اثیر: ج ۱۸، ص ۵۶۰۔

بس کیا تھا تمام لوگ بھڑک گئے اور اسے اس روز سے مارا گیا کے قریب تھا کہ وہ مر جائے قاضی نے لوگوں کو روکا لیکن وہ انھیں روک نہیں پائے اور ادھر اس نے بہت سے صحابہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور بولا "وہ گمراہی پر تھے" اس وقت اسے اٹھا کر نائب السلطنت کے پاس لے گئے اور اس کے قول کو وہاں دہرایا گیا کہ یہ کہتا ہے کہ صحابہ کرام گمراہی پر تھے اس واقت قاضی نے اس کے خون کو حدر قرار دیا لہذا اسے شہر کی پشت پر لے جایا گیا اور اس کی گردن اڑادی گئی اور عوام الناس نے اس کے لاشہ کو آگ لگادی (خدا اسے روسیاہ کرے) وہ پہلے مدرسہ ابو عمر میں پڑھتا تھا پھر اس کے اوپر رفض کا غلبہ ہو گیا تو حنبل نے اسے چالیس دن مقید کر دیا لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور اسے جہاں کہیں بھی موقع دیا جاتا وہ لعن اور سب وشتم سے باز نہیں آتا تھا یہاں تک کہ اس روز اس نے مسجد اموی میں اپنے مذہب کا کھلے عام اظہار کر دیا(163)۔

حاصل کلام یہ کہ شیعوں نے اور نئے شیعہ ہونے والے مومنین نے اپنی قربانیوں اور بے دریغ فداکاریوں کے ذریعہ ہی رفض وبرائت کی صدا کو زندہ باقی رکھا یہ سب ان کے جہاد ہی کا نتیجہ ہے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے نہ صرف یہ کہ سنیوں کو اپنے سربراہوں اور اماموں کی مذمت اور لعنت و تبراء سننے پر مجبور کیا بلکہ بعض اوقات سنیوں کو تقیہ کرنا پڑا اور ابو بکر و عمر و عثمان اور اس جیسوں کی تعریف سے باز رہے کہ کہیں شیعہ حضرات ان کے خلاف بھڑک نہ جائیں اوران کے خلفاء کے سلسلہ میں اس سے زیادہ سب و شتم اور لعن وطعن نہ کرنے لگیں اوریہی وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ابن عربی نے صریحی طور پر کیا ہے فتویٰ دیا ہے وہ کہتا ہے

(163) شذرات الذہب ابن عماد حنبلی: ج ۱۰، ص ۳۲۵۔

"جب تم رافضیوں کے پاس اٹھو بیٹھو کہ جو صحابہ پر لعن طعن کرتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو اور ان کے پاس کسی ایسے صحابی کا تذکرہ نہ کرو کہ جس کے بارے میں تم جانتے ہو کہ وہ ان کی تعریف سے سب و شتم اور لعن طعن کرے گا اس لئے کہ اس کے پاس لجاج کرنے سے وہ ان کی شان میں جسارت کرے گا اور اس کا باعث تم ہو گے اس لئے کہ تم اس صحابی کا نام لیکر اس کے حق میں سب و شتم کا باعث بنے ہو اللہ کا ارشاد ہے ان لوگوں کو برا بھلا نہ کہو جو غیر خدا کو پکارتے ہیں کہ اس صورت میں جہالت کی بنیاد پر وہ اللہ پر سب و شتم کریں گے "(164)۔

آپ دیکھیں کہ سابق شیعہ کس قدر کامیاب تھے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ تقیہ اپنے آپ سے اٹھا رکھا تھا بلکہ انہوں نے اپنے مخالفین کو تقیہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا جبکہ ان کے پاس طاقت اور حکومت و سلطنت بھی نہیں تھی جیسا کہ آج کے شیعوں کے پاس ہے دولت ہے حکومت ہے لشکر ہے اور کم از کم ایسے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں کہ جس میں دنیا بھر کی قوموں کو آزادی ہے مگر ان کے اوپر حکومت کرنے والے ڈرپوک ہیں وہ چاہتے ہیں کہ شیعہ اسی طرح قید و بند کی زندگی بسر کریں اپنے فطری و طبیعی حق، آزادئ بیان کو بھی استعمال نہ کریں، ابو بکر و عمر و عائشہ سے برائت کا اعلان نہ کریں اور ان جیسوں کی مذمت نہ کریں آج کے یہ لوگ تقیہ میں ڈوبے ہوئے ہیں جبکہ ہمارے اسلاف نے بہت پہلے تقیہ کا بیڑا یہ کہکر غرق کر دیا تھا: "کہ کچھ چھپا نہیں ہے " لیکن آج یہ لوگ نئے سرے سے اسی تقیہ کا اعادہ چاہتے ہیں۔

---

(164) الفتوحات المکیہ لابن عربی: ج۷، ص۲۴۷۔

گذشتہ رافضی لوگ روش ائمہ طاہرینؑ کو آج سے زیادہ دقیق سمجھتے تھے

سابق زمانہ کے شیعہ، اہداف و مقاصد ائمہ طاہرینؑ کو بہتر اور باریکی سے سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے زیادہ سعی و تلاش کی اور بہت زیادہ قربانی پیش کی تاکہ شیعہ لوگ تقیہ کرنے پر مجبور نہ ہوں اور یہ سب انہوں نے ناحیہ مقدسہ سے صادر دعا سے سمجھا تھا جسے زمانہ غیبت امامؑ میں پڑھا جاتا ہے اور جس میں ارشاد ہوتا ہے "اے پروردگار ہمیں امام مہدیؑ کے اعوان و انصار میں سے قرار دے ان کی سلطنت کو تقویت پہنچانے والا قرار دے ان کے امر کو بجالانے والا بنا اور ان کے کردار و سلوک پر ہمیں راضی رکھ ان کے دستور کو تسلیم کرنے والا بنا اور ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جنہیں تیری کسی مخلوق سے تقیہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے"[165]۔

اور جب انہوں نے دیکھا کہ سیرت ائمہ طاہرینؑ یہ ہے اور ان سے سیکھا ہے کہ "ائمہ ضلال اور ان پر لعن و طعن میں تقیہ چھوڑدو" کہ وہ بزرگواران بھی ایسا ہی کرتے تھے جیسا کہ جناب حر عاملی رضوان اللہ علیہ [166] نے افادہ فرمایا ہے اور گذشتہ شیعوں نے ائمہ طاہرینؑ سے یہ بھی سیکھا تھا کہ مخلوقات کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرو اس لئے کہ انہیں امام جعفر صادقؑ نے ایک ایسی قیمی دعا تعلیم فرمائی ہے کہ جس میں وارد ہوا ہے "میں تجھ سے قوت و طاقت کا مطالبہ کرتا

---

(165) مصباح المتہجد: ص ۴۱۵، بلد الامین کفعمی: ج ۱، ص ۳۰۸، دعائے صاحب الزمانؑ در غیبت امامؑ، اس دعا کو مفاتیح الجنان اور دیگر کتب میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

(166) الفوائد الطوسیہ حر عاملی: ص ۴۶۸، ہم نے بھی تحریر الانسان الشیعی میں بہت سے واقعات پیش کئے ہیں۔

ہوں ہر اس چیز کا طلبگار ہوں جس سے تیری مخلوقات بھلے ہی مجھ سے ناراض ہو مگر میں تجھے راضی وخوشنود کرنا چاہتا ہوں اور تیری رضا کا طالب ہو[167]۔

اسی طرح گذشتہ رافضی لوگوں نے سیرت ائمہ طاہرینؑ کو باریکی اور گہرائی سے سمجھا تھا وہ سمجھ چکے تھے کہ اگرچہ انہیں ضرورت کے تحت تقیہ کرنا پڑتا لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے بیان و تبلیغ سے کوتاہی نہیں کی، وعظ و یاد دہانی میں سستی نہیں برتی، اہل باطل کے سرغنہ و سربراہوں سے مقابلہ کرتے رہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے شانہ خالی نہیں کیا ان کا تقیہ، ایک جنگجو کے مجبور ہو کر استراحت کرنے جیسا تھا کہ جو بقدرِ ضرورت ٹھہر کر پھر حملہ آور ہوتا ہے اگر انہیں مجبوراً تقیہ کرنا بھی پڑتا تھا تو مثلا ہاتھ روکتے تھے زبان نہیں چاہے انھیں اسکی خاطر بڑے خطرات اور دنیاوی نقصانات بھی اٹھانے پڑتے تھے تاکہ ان کا تقیہ ذلت ورسوائی اور شکست یا توہین اور کمزوری کے ہمراہ نہ ہو۔

کیا آپ ملاحظ نہیں کرتے کہ حضرت امیر المومنینؑ اگرچہ تقیہ پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن ذلت و حقارت کے ساتھ تقیہ نہیں کرتے اور نہ ہی خوف و ہراس کے باعث مخالفین سے خاموشی اختیار کرتے ہیں بلکہ برعکس آپ خود انہیں خوف زدہ کرتے ہیں اور مجاہدت کرنے سے چپ نہیں رہتے اور نہ ہی اپنے حق کا مطالبہ کرنے سے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اوران کی طرف سے پڑی مصیبتوں کے باوجود کمزور نہیں پڑتے امام علیؑ کا تقیہ بس ضرورت بھر تھا اور وہ طاقت کا استعمال نہ کرنا تھا اسی مطلب کو حضرت امام علی نقیؑ نے اپنے جد بزرگوار حضرت

(167) کافی کلینی: ج۲، ص۵۹۱۔

امیر المومنین علیؑ کی زیارت میں بیان فرمایا ہے جو روز عید غدیر آپ نے اپنے جد بزرگوار کی قبر پر کھڑے ہو کر پڑھی تھی جس سال آپ کو ملعون معتصم عباسی نے مدینہ سے طلب کیا تھا یہ زیارت آپ کے فرزند حضرت امام حسن عسکریؑ نے روایت کی ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے شکست مان کر تقیہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے حق سے چشم پوشی کی ہے اور نہ ہی اپنی مخالفت کرنے والے سے جہاد کرنے میں سست پڑے اور جو خلاف خوشنودی الٰہی کام ہو رہا تھا اس سے آپ نے نرم گوشہ اختیار کر کے خوشی و رضایت کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی راہ خدا میں آپ پر جو بھی مصیبت پڑی اس سے کمزور پڑے اور نہ ہی اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں ضعف و ناتوانی سے کام لیا اللہ کی پناہ کہ جو آپ ایسے ہوں بلکہ جب آپ مظلوم واقع ہوئے تو اجر و ثواب الٰہی کی خاطر چپ رہے اور اپنے امور کو خدا کے سپرد کر دیا آپ نے انہیں تنبیہ کی مگر وہ متنبہ نہیں ہوئے انہیں پند و اندرز دیا مگر انہوں نے نصیحت قبول نہیں کی اور انہیں آپ نے اللہ کا خوف دلایا مگر وہ لوگ خائف نہیں ہوئے" (168)۔

اس طرح گذشتہ زمانہ کے شیعوں نے اپنے ائمہ طاہرینؑ کی سیرت اپنائی تھی وہ ڈر کے تقیہ نہیں کرتے تھے انہوں نے بے صبری کے باعث خاموشی نہیں اختیار کی تھی وہ اکتا کر مجاہدت سے باز نہیں آئے تھے بلکہ انہوں نے چند دنوں کے بعد کایا ہی پلٹ دی تھی کہ ان کے مخالفین ان سے تقیہ کرنے لگے تھے تاکہ شیعوں کے خوف عذاب و انتقام سے محفوظ رہیں آج ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم ان کامیابیوں اور بھاری قربانیوں کو جسے ہمارے گذشتہ بزرگوں نے محقق کیا ہے

(168) المزار لابن مشہدی: ص ۲٦٦۔

وجود بخشا ہے ہدر نہ جانے دیں اور شیعہ قوم کو پیچھے نہ ہونے دیں بلکہ کلمہ الہی کی سربلندی کے لئے سارے قیود و حدود کو توڑ دیں تا کہ ابو بکر، عمر و عائشہ وغیرہ کی جھوٹی قداست کو پامال کر دیں آج اسی کی شدید ضرورت ہے تا کہ یہ شریف قوم وملت ساری بدعتوں، مصیبتوں، جور و ستم اور خوف و دہشت سے محفوظ ہو جائے اور جو اسے منع کرنے کی کوشش کرے وہ گنہگار ہے اور جو اس نیک کام میں چاہے کمزور ترین طریقہ ایمان سے سہیم و شریک نہیں ہوتا وہ مقصر ہے یہ پاکیزگی وجدائی کا مرحلہ ہے اسلامی عقائد کے حقائق کو مفصل بیان کرنے کا دور ہے اس کے لئے ہمارے کمزور بھائیوں کو بھی بڑی جدیت اور نشاط سے کام لینا ہو گا یہاں کسی کمزوری وضعف کے ساتھ کام انجام دینے کی گنجائش نہیں ہے جہاں چستی و نشاط کی ضرورت پیش آجائے وہاں ہمارے کمزور بھائیوں کو بھی جنگل کے شیر اور زہر ہلاہل سے لبریز سانپ کی طرح حملہ آور ہونا پڑے گا۔

حضرت امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں:

"امر الہی کا قیام بس اسی کے بس کی بات ہے جو مروت نہ کرتا ہو، عاجزی و کمزوری کا اظہار نہ کرتا ہو اور کسی لالچ کے پیچھے نہ بھاگتا ہو"۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ مومن وہ ہے جس سے ہر شئی ڈرتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دین خدا میں سخت ہوتا ہے اور وہ خود کسی شیٔ سے نہیں ڈرتا اور یہی ہر مومن کی علامت ہے"۔

حضرت امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

"شیعیان امام علیؑ بس وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ موت ان کے اوپر آپڑے گی یا وہ موت کے اوپر جا پڑیں گے"۔

ہمیں ایسا ہی ہونا چاہیئے!

سبحان ربك رب العزة عما يصفون

وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

یاسر الحبیب۔ لندن

عید غدیر ثانی۔ ۹/ ربیع الاول

۱۴۳۷ھ

فہرست مطالب